نذرِ عقیدت

عزت مآب جناب ایم ۔ اے ۔ طارق صاحب

خدمت میں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

عرش صہبائی

۱۹ جون ۱۹۶۱ء

عرش صہبائی

حسن کار	او۔ پی۔ شرما
کتابت	مہر چند
تیسری بار	مئی ۱۹۶۴ء
	(اضافہ کے ساتھ)
تعداد	ایک ہزار
قیمت	دو روپے پچاس نئے پیسے

ترتیب

طالب امین آبادی ○ خمار جالندھری

پنڈت ودیا رتن عاصی نے نیا کشمیر (اورینٹ) پریس جموں سے چھپوا کر مکتبۂ اردو ادب۔ جموں سے شائع کیا۔

کنول میوٹھی

کے

نام

اظہارِ تشکر

مَیں سیّد فتح حُسین ظفر کاظمی (سپرنٹنڈنٹ پولیس محکمہ انسدادِ رشوت ستانی)،
جناب سردار آفتاب احمد خاں۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ خوراک،
جناب محمد یُونس۔ اے۔ ایس۔ آئی۔ پولیس (جموّں)،
جناب پنج بھان تینجہ۔ جناب روشن لال بھلّہ۔ جناب رام لال بھلّہ۔
جناب راج کرشن چاولہ۔ جناب نریندر ناتھ گُپتا اور جناب امبی پرکاش
سوفی کا دلی ممنُون ہُوں جن کی ہمدردی اور سرپرستی مجھے حاصل ہے۔

۲۹ اپریل ۱۹۶۶ء
۱۴۵ - سنجی چھاؤنی جموّں

"شگفتِ گُل"

اِس شعری مجمُوعے کو حکومتِ جمّوں وکشمیر کی کلچرل اکادمی
نے ۱۹۶۱ء کی دُوسری بہترین کتاب قرار دیتے
ہوُئے مبلغ سات سَو روپے کے اِنعام سے نوازا۔

تعارف

یہ میرے وہم و گمان میں کبھی نہیں تھا کہ مجھے عرشؔ صہبائی کا تعارف لکھنا پڑے گا۔ پہلے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھ سے ایک سنجیدہ شخص نے غیر سنجیدہ مذاق کر دیا ہو۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین بھی تھا کہ وہ شخص جو ہمیشہ دوسروں کے مذاق کا مرکز رہا ہو کسی سے کیوں کر مذاق کر سکتا ہے۔ مجھ میں اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ میں عرشؔ کی بات کو ٹال سکتا۔ وہ ۱۹۵۵ء سے میرے ساتھ آل انڈیا ریڈیو کے ادارہ میں کام کر رہا ہے۔ ۹ سال کا عرصہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ لیکن میں آج تک یہ نہ سمجھ سکا کہ عرشؔ ایک اچھا انسان ہے یا اچھا شاعر۔

میں بخوبی جانتا ہوں کہ آج ہر کوئی عرشؔ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ ملک کے اکثر معیاری اور ادبی رسائل میں اس کے فن اور اس کی ذات پہ بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ وہ چاہتا تو بڑے سے بڑے فن کار سے اپنا تعارف لکھوا سکتا تھا لیکن وہ روایت پرست نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنا تعارف لکھوانے کے لئے مجھے منتخب کیا۔ مجھے اس انتخاب پہ ہنسی بھی آئی لیکن اس کے جذبات کا احترام بہت ضروری تھا۔

چھریرا جسم۔ متوسط قد، حسین خد و خال، مجسّم اخلاص، شرافت اور انسانی

محبّت و حلاوت کو آپ دُوسرے الفاظ میں عرقِ صہبائی کہہ سکتے ہیں ۔ وُہ ایک سحر آفریں
شخصیت ہے جو چند لمحات میں دُوسرے کو متاثر کر لیتی ہے اور یہ احساس ہونے لگتا ہے
کہ اِس شخص سے ہم پہلے بھی کہیں مِل چکے ہیں ۔

سِن و سال کے اعتبار سے وُہ نوعُمر بھی ہے لیکن عُمر رسیدگی سے ہم آغوش
بھی ہے ۔ اس کے افکار کی تازگی اور جدّت، سنجیدگی اور متانت حیرت انگیز حد تک
اثر انداز ہوتی ہے اور یہ شک گزرتا ہے کہ بیک وقت ہمارے سامنے دو شخصیتیں کھڑی
ہیں ۔ اس کی جِدّت پسند طبیعت اور تیور اس کے بہار آفریں مُستقبل کی نشان دہی کرتے
ہیں ۔ گوناگوں صلاحیتوں اور فکر و نظر کی پختگی کے باوجُود یہ شخص کسی خُوش فہمی میں مُبتلا نہیں۔
اسے اپنی عظمت کا مُطلق کوئی احساس نہیں ۔ بلکہ اس کا ذِکر بھی اسے ناگوار گزرتا ہے ۔
وُہ سادہ دِل، مُخلص اور بامروت انسان ہے جس کے دل میں دوسروں کے لئے درد ہے، جو
دُوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے اور بڑی سے بڑی قُربانی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔
اس کے دوستوں کو اس کی زندگی میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اس کے دوست اس کی
بہت بڑی کمزوری ہیں ۔ دوستی کا بھرم رکھنا اور دوستوں کے فریب کھانا اِس کا معمول ہے
زمانے کے بیدردانہ سُلوک، غم کی گہری چوٹوں اور دوستوں کی کینہ پروری نے اسے اور
بھی نرم دِل بنا دیا ہے ۔ وُہ زخم کھا کر مُسکرا دیتا ہے لیکن دِل شکستہ نہیں ہوتا۔ سماجی،
اقتصادی اور معاشی ماحول سے وُہ غیر مُطمئن ہے ۔ سماج کے فرسُودہ رسم و رواج اور
روایت پرستی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے ۔ وُہ انتہائی

سنجیدگی، فراخدلی اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے ناسازگار ماحول سے دست و گریباں ہے۔ وہ مصائب کو خوش آمدید کہہ کر ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ بیباکی و حق گوئی اس کی زندگی کا بنیادی اصول ہے۔ کوئی عالم ہو مگر وہ دامن خودداری کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

اس کی زندگی میں کئی انقلاب آئے۔ اسے کئی بار نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ بعض احباب نے اس کے لئے کیا کیا پریشانیاں پیدا کیں لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آسکی۔ اس کی محنت اور لگن میں روز بہ روز تازگی پیدا ہوگئی۔ اس کی محبت اور نکھرتی چلی گئی مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود اس کی زندگی میں ایک مسکراہٹ ہے جو اس کی گفتار میں بھی ہے اور اس کے کردار میں بھی۔

ضرورت تھی کہ عرش کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ ان حق تلفیوں کا ذکر ہوتا جو ماحول نے زندگی میں مختلف اوقات پر اس کے ساتھ کی ہیں۔ ان دل سوز حالات ...... کا تذکرہ کیا جاتا جن سے اُسے دوچار ہونا پڑا لیکن صفحات کی تنگ دامانی راہ میں حائل ہے۔

چنچل شرما

ریڈیو کشمیر۔ جموّں　　　یکم اپریل ۱۹۶۴ء

جورِ پیہم کے داغ برسوں تک
اپنے دامن سے دھوئے گی دُنیا
آج طنزاً یہ مُسکراتی ہے
کل مگر ہم کو روئے گی دُنیا

مرے کشمیر میں

دیدنی ہے ہر گُلِ رعنا مرے کشمیر میں
موج زن ہے حسن کا دریا مرے کشمیر میں

لہلہاتی کھیتیاں ہیں زینتِ دشت و جبل
سر بہ سر ہے خُلد کا نقشا مرے کشمیر میں

ہندو و مسلم بھی ہیں سکھ اور عیسائی بھی ہیں
سب مذاہب ہو گئے یکجا مرے کشمیر میں

روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہے چار سُو
ہو گیا عالم چراغاں کا مرے کشمیر میں

موت پر بھی اب نہیں ہے موت کا وہم و گماں
زندگی کا راج ہے گویا مرے کشمیر میں

آبِ شیریں جو حفیظ اللہ میں ہے آبِ زندگی
کوثر و تسنیم میں ہے یا مرے کشمیر میں

عشق ہے خود ترنم، حسن ہے مصروفِ رقص
خوشنما کتنا ہے یہ نقشا مرے کشمیر میں

دیکھئے جس کو بھی ہے سرشارِ صہبائے وطن
ہے رواں وحدت کا اک دریا مرے کشمیر میں

چار سو پھیلی ہوئی ہیں کیف زا رنگینیاں
جا بہ جا ہے مستیٔ صہبا مرے کشمیر میں

ذرہ ذرہ عالمِ مستی میں ہے محوِ طرب
عقل نے یہ معجزہ دیکھا مرے کشمیر میں

چشمہ شاہی ہو وہ یا باغ شالیمار ہو
خاص ہے ہر فیض قدرت کا مرے کشمیر میں

دیدۂ پُر شوق میں ذوقِ نظارہ چاہیئے
کم نہیں جنت سے ہر جلوہ مرے کشمیر میں

زندگی بھی ہے محبت بھی ہے اہلِ دل بھی ہیں
کیا بتاؤں میں کہ ہے کیا کیا مرے کشمیر میں

آدمی کو جان و دل سے آدمیت کا ہے پاس
زندگی مطلق نہیں رُسوا مرے کشمیر میں

جاذبِ قلب و نظر ہے سلسلہ کہسار کا
سر اُٹھا کر دیکھئے جلوہ مرے کشمیر میں

جس طرف اُٹھتی ہیں نظریں مسکراتی ہے حیات
اب نہیں ہے موت کا کھٹکا مرے کشمیر میں

خیال خام ہے یہ ......

خیالِ خام ہے یہ بے بس و نحیف ہیں ہم
ہمارے خون میں حرکت بھی ہے حرارت بھی
ہمارے عزم میں اِک پختگی نمایاں ہے
دلوں میں جوش بھی ہے جذبۂ شہادت بھی

وفا پرستی اگرچہ ہمارا شیوہ ہے
کسی بھی ظلم کے آگے نہ جھک سکیں گے ہم

ہزار مشکلیں ہوں، لاکھ سختیاں لیکن
جو چل پڑے ہیں تو ہرگز نہ رک سکیں گے ہم

ہمارے بازوؤں میں بے پناہ طاقت ہے
دل و دماغ میں پھر بھی کوئی غرور نہیں

یہ اور بات ہے ہم امن کے ہیں شیدائی
مگر غلط کہ ہمیں جنگ کا شعور نہیں

وطن پرست ہیں اپنے وطن کی خاطر ہم
خوشی کے ساتھ ہر اک شے نثار کر دیں گے

ہم اپنے فرض کو اچھی طرح سمجھتے ہیں
وطن کی مانگ میں ہم اپنا خون بھر دینگے

وہ اِک چراغ ہیں دُنیا کی اَنجُمن کے لئے
جو اپنی جان فِدا کر گئے وطن کے لئے

وہ آج دیکھتے اسے کاش حسنِ لالہ و گُل
جو زندگی میں ترستے رہے چمن کے لئے

وطن کا درد نہ ہو جس بشر کے سینے میں
وُہ ایک داغ ہے پیشانیٔ وطن کے لئے

رہے گا اَب نہ کوئی جورِ مُفلسی کا شکار
خبر یہ لایا ہُوں اَربابِ اَنجُمن کے لئے

اُنہیں کی نذر ہے میرا سلامِ شوق و نیاز
ہُوئے شہید جو آزادیٔ وطن کے لئے

ہر ایک گھر میں ہو تنویرِ شمعِ آزادی
دُعائیں کرتا ہُوں دِن رات یہ وطن کے لئے

بڑھے چلو کہ ہمیں منزلیں بُلاتی ہیں
صلائے عام ہے مردانِ گام زن کے لئے

خلُوصِ جذبۂ تعمیرِ آشیاں کی قسم
نثار ہوں گے تو بہبُودیٔ چمن کے لئے

بس اَب تو عرشؔ ہمارا یہی عقیدہ ہے
وطن ہمارے لئے ہے تو ہم وطن کے لئے

زمانے بھر کے ہر اک انداز کو پہچان لیتے ہیں
حقیقت جاننے والے حقیقت جان لیتے ہیں
طبیعت کون سے عالم میں ہے پہچان لیتے ہیں
چھپائیں لاکھ وہ ہم حالِ دل کا جان لیتے ہیں
کلی ہو، پھول ہو، شبنم ہو، ذرّہ ہو، ستارہ ہو
نظر والے تجھے ہر رنگ میں پہچان لیتے ہیں
تمہیں ہم سے محبّت ہے تمہیں ہم سے عقیدت ہے
نہیں یہ ماننے کی بات لیکن مان لیتے ہیں
کسی صورت بھی ہو ظاہر مگر پہچاننے والے
ترے قدموں کی آہٹ سے تجھے پہچان لیتے ہیں
فقط اِک دل بڑھانے کو، فقط اِک بات رکھنے کو
کبھی اہلِ جنوں، اہلِ خرد کی مان لیتے ہیں
پھر اس کے واسطے یہ جان بھی جائے تو کیا غم ہے
جسے اک بار ہم دنیا میں اپنا جان لیتے ہیں
سنا تھا عرشؔ صہبائی بہت مغرور ہیں لیکن
جو دیکھا تو یہ حضرت ہر کسی کی مان لیتے ہیں

سِلسلہ دُور پہنچ جائے نہ پھر باتوں کا
ذِکر کیا چھیڑیئے اب پہلی مُلاقاتوں کا

اَب جو مِلتا ہی نہیں وقت مُلاقاتوں کا
کیا بُرا مان گئے آپ مری باتوں کا؟

دِل کی دُنیا تو اُجالوں سے ہے رَوشن ہر دم
دِل کی دُنیا میں تصوّر ہی کہاں راتوں کا؟

ہم بھی افسُردہ سے ہیں آپ بھی مغمُوم سے ہیں
سِلسلہ ٹوُٹ گیا جب سے مُلاقاتوں کا

مُسکرا کر وُہ محبّت کی نظر ڈال گئے
ورنہ کچھ اور تھا مفہُوم مری باتوں کا

آپ کچھ خُوش تو ہوئے آپ کو تسکیں تو ہوئی
پھُونک کر دِن کے اُجالوں میں فسُوں راتوں کا

اے دلِ کُشتۂ حسرت! ترا ایمان بھی ہو!
کون کافر ہے پابند تری باتوں کا؟

عرشؔ! سچ پُوچھئے تو دونوں ہی دُر دیر ہیں
زورِ سجدوں کا ہو یا شورِ مُناجاتوں کا

رُوداد ہم اسے دیدۂ تر کچھ نہیں کہتے
کہنے کو بہت کچھ ہے مگر کچھ نہیں کہتے

چُپ رہنے سے کچھ اور گماں گذریگا اُن کو
یہ اور بھی مُشکل ہے اگر کچھ نہیں کہتے

ہیں پیشِ نظر میری تباہی کے مناظر
گو دیکھ رہے ہیں وُہ مگر کچھ نہیں کہتے

اندازِ نظر سے بھی عیاں حال ہے دِل کا
یہ بات الگ ہے وُہ اگر کچھ نہیں کہتے

اربابِ محبت کے ہر اک تازہ ستم کو
ہم دیکھتے رہتے ہیں مگر کچھ نہیں کہتے

کہتے ہیں تو کچھ اور بھی ہو جاتے ہیں بدنام
بڑھ جاتا ہے غم دِل کا اگر کچھ نہیں کہتے

اے عرشؔ یہ پہچان ہے اربابِ وفا کی
ہر حال میں جیتے ہیں مگر کچھ نہیں کہتے

خونِ دل ہوتا ہے یا خونِ جگر ہوتا ہے
اور کیا اس کے سوا شام و سحر ہوتا ہے

ہم تہی دست سہی تنگ مے و جام سہی
ذکرِ مے خانہ سرِ شام مگر ہوتا ہے

بات چھڑتی نہیں گو اُن کی بہت تشنہ تک
ذکر ہوتا ہے تو پھر شام و سحر ہوتا ہے

آتے آتے ہی انہیں طرزِ وفا آئے گی
ہوتے ہوتے ہی محبت کا اثر ہوتا ہے

کچھ تو ہوتی ہے مئے ناب میں مستی ساقی
اور کچھ تیری نگاہوں کا اثر ہوتا ہے

احتراماً حاصلِ کون و مکاں کہتے رہے
ہم ترے غم کو نشاطِ جاوداں کہتے رہے

اہلِ دُنیا نے توجہ تک نہ کی اِس پر۔ مگر
کہنے والے دردِ دل کی داستاں کہتے رہے

اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوں گی نظر کی پستیاں؟
زندگی کو کم نظر بارِ گراں کہتے رہے

کیا ستم ہے! جو نظر تھی باعثِ آزارِ جاں
ہم اُسے تسکینِ دل، آرامِ جاں کہتے رہے

گو یہ ناواجب تھا لیکن رنگِ دُنیا دیکھ کر
ہم ہر اِک نامہرباں کو مہرباں کہتے رہے

وُہ محبت کی حکایت تھی کہ رُودادِ حیات
ہم زبانِ اشک سے ہر داستاں کہتے رہے

اِس میں بھی کچھ مصلحت تھی اِس میں بھی کچھ راز تھا
ہم جو دانستہ قفس کو آشیاں کہتے رہے

سخن پہ بندشیں ہیں تو زباں پہ پہرے ہیں
عجیب منزلوں پہ اہلِ درد ٹھہرے ہیں
نری نظر سے بھی شاید یہ بھر سکیں نہ کبھی
عطا کیے ہیں جو دُنیا نے زخم گہرے ہیں
ستم تو یہ ہے کہ اُلٹی ہے اِن کی ہر تعبیر
یہ خواب عشق و محبّت کے گو سنہرے ہیں
نظامِ دہر ہے بس اُن کے اِک اشارے پر
ٹھہر گیا ہے زمانہ جہاں وُہ ٹھہرے ہیں
نہ چل سکیں گے کوئی چال اِن پہ مکر و فریب
اگر دلوں پہ محبّت کے نقش گہرے ہیں
یہ میرا فرض ہے ہر چیز اُن کی نذر کروں
وُہ میرے دِل میں جو مہمان بن کے ٹھہرے ہیں
بدلنا ہے مجھے اے عرشؔ زندگی کا نظام
بلا سے، لاکھ رسُوم کہن کے پہرے ہیں

راحت کی گھڑی آجاتی ہے جینے کا مقام آجاتا ہے
اُس وقت خیالِ توبہ کیا جب رقص میں جام آجاتا ہے

غم کی شدت میں ہونٹوں پہ جب آپ کا نام آجاتا ہے
تسکینِ جگر ہو جاتی ہے دِل کو آرام آجاتا ہے

جب صحن گُلستانِ دِل میں وُہ مستِ خرام آجاتا ہے
گُل ہائے تمنّا کو گویا ہنسنے کا پیام آجاتا ہے

کچھ راز بھی ہے اِن شکوؤں میں کچھ یاد بھی ہے ان پردوں میں
جب ذکرِ جفائے دہر کریں اپنوں کا بھی نام آجاتا ہے

افسانہ دل برباد کا ہم کہنے تو نہیں دُنیا سے مگر
اظہارِ حقیقت میں لب پہ اک شوخ کا نام آجاتا ہے

معراجِ محبت کے صدقے، تاثیرِ محبت کے قُربان
جب دَرہی جبیں کا طالب ہو ایسا بھی مقام آجاتا ہے

اے شدّتِ دردِ زخمِ جگر! مرہم نہ سہی نشتر ہی سہی
ہم اُس کو سمجھتے ہیں اپنا جو وقت پہ کام آجاتا ہے

ہر اِک اَدا ئے ناز پہ قرباں جائیے
اُس چشمِ نیم باز پہ قربان جائیے
اُن کی نگاہِ ناز کے انداز دیکھ کر
اُن کی نگاہِ ناز پہ قربان جائیے
محوِ بہار ہے کوئی۔ کوئی خزاں نصیب
اس رنگِ امتیاز پہ قربان جائیے
بہلا رہے ہیں دل کو یہ اُلفت میں ہر گھڑی
غم ہائے دل نواز پہ قربان جائیے
ہے یہ ازل سے خالقِ نغماتِ زندگی
دِل کے شکستہ ساز پہ قربان جائیے
ہم مِٹ رہے ہیں اور خبر تک نہیں جسے
اُس چشمِ بے نیاز پہ قربان جائیے
بیشک نگاہِ ناز ہے دِل کی حریفِ ہوش
پھر بھی نگاہِ ناز پہ قربان جائیے

راحت و آرام کا پیغام ہیں تیرے خطوط
ہاں حریفِ گردشِ ایام ہیں تیرے خطوط

زندگانی کے چھلکتے جام ہیں تیرے خطوط
میکدے کی اک سہانی شام ہیں تیرے خطوط

آرزوئیں بھی ہیں اِن میں اور کچھ ارمان بھی
سچ تو یہ ہے زیست کا پیغام ہیں تیرے خطوط

اِن کے اِک اِک لفظ میں ہے مستئ صہبائے ناب
کیف میں ڈوبی ہوئی اِک شام ہیں تیرے خطوط

عزمِ محکم بھی ہے اِن میں جذبۂ ایثار بھی
کس طرح کہہ دوں خیالِ خام ہیں تیرے خطوط

اِن کو پڑھتا ہوں تو اکثر جھومتا رہتا ہوں میں
لذتِ صہبا و لطفِ جام ہیں تیرے خطوط

جس میں رقصاں ہوں بہارِ حسن کی رعنائیاں
زندگی کی وہ سنہری شام ہیں تیرے خطوط

کیوں نہ آنکھوں سے لگاؤں کیوں نہ اِن کو چوم لوں
باعثِ صد راحت و آرام ہیں تیرے خطوط

آپ بھی بڑھ کر ذرا کچھ اور پیمانے کے پاس
غم زدہ سے آپ کیوں بیٹھے ہیں میخانے کے پاس

داغِ دل، داغِ جگر اور اُس پہ داغِ آرزو
کون سی شے کی کمی ہے تیرے دیوانے کے پاس

اس طرح ہوں دل سے تنہائی میں محوِ گفتگو
جیسے بیٹھا ہو کوئی دیوانہ دیوانے کے پاس

آپ کو بھی دیکھنے والے نہ دیوانہ کہیں
بے تکلف اس طرح بیٹھیں نہ دیوانے کے پاس

دور تک پھیلی ہوئی ہے ظلمتِ شامِ حیات
روشنی کچھ ہے اگر تو ہے وہ میخانے کے پاس

ہم آپ کی تعریف میں کیا کہہ نہیں سکتے
ہاں جورِ مسلسل کو وفا کہہ نہیں سکتے
رہ زن کو کبھی راہ نما کہہ نہیں سکتے
زہراب کو ہم آبِ بقا کہہ نہیں سکتے

ہے اپنی خطا کوئی تو اتنی ہی خطا ہے
ہم اُن کی جفاؤں کو وفا کہہ نہیں سکتے
کٹتی ہے تو کٹ جائے زباں اپنی مگر ہم
ظلمت کو کسی طور ضیا کہہ نہیں سکتے
کچھ سوچ کے خاموش ہیں اے ناصحِ ناداں
کہنے پہ اُتر آئیں تو کیا کہہ نہیں سکتے؟

ہاں میری نظر میں وہ بشر قابلِ نفرت
دُنیا میں بُروں کو جو بُرا کہہ نہیں سکتے
اے عرشؔ اگر آج یہ عالم ہے تو کل تک
کیا ہوگی زمانے کی ہوا کہہ نہیں سکتے

دُنیا سے رسم و راہ کی کچھ اور بات ہے
اُس بے وفا سے چاہ کی کچھ اور بات ہے

صہبائے ناب میں بھی بلا کی ہیں مستیاں
لیکن تری نگاہ کی کچھ اور بات ہے

جو زندگی میں تشنۂ تکمیل ہی رہی
اُس حسرتِ گناہ کی کچھ اور بات ہے

میرے دلِ تباہ کی پروا نہ کیجئے
میرے دلِ تباہ کی کچھ اور بات ہے

جس مستیٔ نگاہ سے شاداں ہے زندگی
اُس مستیٔ نگاہ کی کچھ اور بات ہے

گو جاذبِ نظر ہے چمن کی بہار بھی
لیکن تری نگاہ کی کچھ اور بات ہے

اس ترکِ رسم و راہ کو ہم جانتے ہیں غرض
اس ترکِ رسم و راہ کی کچھ اور بات ہے

گو بہت پُر کیف ہے صہبائے ناب
ہاں مگر تیری نظر کا کیا جواب
کیا تبسّم کیا ادائے پُر حجاب
اُن کا ہر انداز ٹھہرا لاجواب
ہر نگاہِ شوخ میں سَو سَو سوال
ہر نگاہِ شوق میں سَو سَو جواب
سخت جانی نے بچا لی زندگی
وقت نے ورنہ دیئے کیا کیا عذاب
یا نصیبِ اِنساں میں اِس کا شعُور
یا ابھی اِنسانیت ہے محوِ خواب
اے گرفتارِ رِوایاتِ کہُن!
زندگی ہے خالقِ صد اِنقلاب

اِس جہانِ آب و گِل میں دیکھئے
کِس جگہ ٹھہرے نگاہِ انتخاب

اِک نئے دورِ جفا و جور کا
پیش خیمہ ہے یہ لطفِ بے حساب

عشق کا انجام تو معلوم تھا
ہم کو لے ڈوبا دلِ پُر اضطراب

کیا کہوں میری نگاہِ شوق کو
مسکرا کر کیا دیا اُس نے جواب

اُن کی دُزدیدہ نگاہی دیکھنا
داد کے قابل ہے یہ طرزِ حجاب

تاب ہم کو سخت باتوں کی نہیں
چھوڑ دیئے یہ گفتگوئے پُر عتاب

اِک فقط اِس میں نہیں رنگِ خلوص
یُوں تو اُن کی ہر نظر ہے کامیاب

ہو رہی ہیں مجھ سے کیا گستاخیاں
کھا رہے ہیں وُہ جو اتنا پیچ و تاب

عیش و راحت کا نہیں مذکُور تک
کس قدر بے کیف ہے ہستی کا باب

دُور تک ہے نُور کی اِک لہر سی
کون گزرا ہے یہاں سے بے نقاب

اے خُدا ہم پر جفائیں ہی سہی
کُھل نہیں سکتا اگر رحمت کا باب

دیکھ کر رکھیئے قدم اِس دور میں
عرشؔ ہے یہ دَور" دورِ انقلاب"

دلِ بے تاب کو بہلانے چلے آتے ہیں

ہم سرِ شام ہی میخانے چلے آتے ہیں

دل نے جس سے فراموش کیا تھا جن کو

لب پہ پھر آج وہ افسانے چلے آتے ہیں

بے بلائے تو یہاں رند نہ آتے ساقی

یاد فرمایا ہے صہبا نے چلے آتے ہیں

در مے خانہ سے ہم لوگ گزر ہی جاتے

دیکھ کر رقص میں پیمانے چلے آتے ہیں

آج پینے کا ارادہ تو نہیں تھا لیکن

باتوں باتوں ہی میں میخانے چلے آتے ہیں

زندگی ہوتی ہے مشکل سے بسر کانٹوں پہ
کاٹ ہی دیتے ہیں دل والے مگر کانٹوں پہ
آپ کو تلخیٔ آلام کا احساس کہاں ؟
آپ نے کی ہی نہیں عمر بسر کانٹوں پہ
زخم خوردہ نہ ہو کیوں ذوقِ محبت میرا ؟
جب گزرتے ہیں مرے شام و سحر کانٹوں پہ
آپ آجائیں بصد شوق مری دنیا میں
زندگی تلخ نہ ہو جائے مگر کانٹوں پہ
اہتمامِ گل تر کی کوئی زحمت نہ کرے
ہم کو ملتا ہے لطفِ گلِ تر کانٹوں پہ
خلشِ خارِ محبت ہو مبارک اُن کو
شاد رہتے ہیں جو بے خوف و خطر کانٹوں پہ
غنچہ و گل کے طلب گار ہیں جو دنیا میں
موسمِ گل میں بھی رکھتے ہیں نظر کانٹوں پہ
عرشؔ بے سود ہے پھر دہر میں پھولوں کی طلب
دل کو آرام میسر ہو اگر کانٹوں پہ

یہ عشق ہے یا کوئی بلا ٹوٹ پڑی ہے
کیا دل کے لگانے کی سزا اتنی کڑی ہے؟

وہ بہرِ عیادت جو چلے آئیں مرے گھر
کہنے کو نہیں کچھ بھی نگہ بات بڑی ہے

یہ کون سا عالم ہے تری بزم میں آکر
ہر آرزوئے دل مری چپ چاپ کھڑی ہے

وہ رشکِ گُلِ تر بھی ہے وہ رشکِ ارم بھی
جس خار پہ تیری نگۂ ناز پڑی ہے

اے عرشؔ مے و جام سے مَیں توبہ تو کر لوں
لیکن ابھی توبہ کے لئے عمر پڑی ہے

گردشِ جام و سبُو مطلوب ہے
اِک جہانِ رنگ و بُو مطلوب ہے
آرزُو بے جان سی ہے آج کل
پھر وُہ جانِ آرزُو مطلوب ہے
زِندگی ہے پھر خمُار آلوُد سی
پھر مجھُے جام و سبُو مطلوب ہے
آرزُو کو زندگی کی ہے طلب
زِندگی کو آرزُو مطلوب ہے
ہائے! اُن کی خوش مذاقی کیا کہیں
جن کو خوُنِ آرزُو مطلوب ہے
چشمِ ساقی کا تصوّر کیا کریں
چشمِ ساقی رُو بہ رُو مطلوب ہے
موسمِ برسات میں رندوں کو عرش
کائناتِ رنگ و بُو مطلوب ہے

زندگی رقصاں ہے صبح و شام تیرے شہر میں
بے اثر ہے گردشِ ایّام تیرے شہر میں

گو نہیں ہے اہتمامِ جام تیرے شہر میں
پھر بھی ہے کتنی سُہانی شام تیرے شہر میں

کر دیا ہے عشق نے بدنام تیرے شہر میں
جانتا تھا کون میرا نام تیرے شہر میں

ہر کس و ناکس کی ہم پہ اُٹھ رہی ہیں اُنگلیاں
ہو گئے ہم کس قدر بدنام تیرے شہر میں

ہر کلام معتبر ہے خالقِ کیف و سُرور
ہر نظر ہے زیست کا پیغام تیرے شہر میں

فکرِ دُنیا کیوں نہ ہو؟ وُہ فکرِ عُقبیٰ کیوں نہ ہو؟
ہر خلش ہے باعثِ آرام تیرے شہر میں

عرش پر بھی ہو کبھی منظورِ چشمِ التفات
یہ بھی ہے اِک بندۂ گمنام تیرے شہر میں

بڑھ رہا ہے کس قدر احساسِ غم آجائیے
آپ کو میری محبت کی قسم آجائیے

اُکھڑی اُکھڑی سی ہیں سانسیں لڑکھڑاتی سی نظر
دیکھئے اب زندگی ہے کوئی دم آجائیے

یہ بہارِ دل کُشا یہ چاندنی چھٹکی ہوئی
آج ہر گُل زار ہے رشکِ ارم آجائیے

سُونی سُونی سی نظر آتی ہے اب بزمِ حیات
ساتھ لے کر آپ کچھ لُطف و کرم آجائیے

آپ ہوں گے تو مصائب میں بھی رہ کر ساتھ ساتھ
مسکرا کر کاٹ لیں گے دورِ غم آجائیے

تیری ہستی سے نئے دَور کا آغاز نہ ہو
حیف ہے تجھ پہ زمانے کو اگر ناز نہ ہو

موسمِ گُل ہے تمناؤں پہ ہے رنگِ بہار
کیا کرے وُہ جسے حاصل پرِ پرواز نہ ہو

کوئی کہتا ہے کہ ہو بندۂ تسلیم و رضا
یہ ترے دِل سے ہی نکلی ہوئی آواز نہ ہو

مَیں سمجھتا ہوں زمانے کا تقاضا کیا ہے
میری باتوں میں زمانہ خلل انداز نہ ہو

بے ارادہ جو تری چشمِ کرم مجھ پہ اُٹھی
تیری اس خاص توجہ میں کوئی راز نہ ہو

تم چلے آؤ مری بزمِ تمنا میں مگر
کوئی آہٹ، کوئی ہل چل، کوئی آواز نہ ہو

مورِش! پھر کچھ بھی نہیں لُطفِ سخن گوئی کا
بات میں حُسنِ سخن کا اگر انداز نہ ہو

زندگی ہے یا کوئی زنجیر ہے
یا کسی مجرم کی یہ تعزیر ہے

بے زبانی بھی تو رکھتی ہے زباں
خامشی بھی عالمِ تقریر ہے

کچھ نہیں کھلتا نظر کے سامنے
آپ ہیں یا آپ کی تصویر ہے

کس قدر کیف آفریں تھا خواب وہ
زندگی جس خواب کی تعبیر ہے

فکرِ ماضی، فکرِ فردا، فکرِ حال
سو طرح کا رنج دامن گیر ہے

اس بہانے یاد کرتے ہیں انہیں
ورنہ کس کو شکوۂ تقدیر ہے

غم کو اے ناداں! حقارت سے نہ دیکھ
راس آ جائے تو یہ اکسیر ہے

عرشؔ اس جانِ بہاراں کے بغیر
زندگی بے رنگ سی تصویر ہے

یُوں بدل سکتی نہیں ہرگز کتابِ زندگی
خُوبیٔ کردار ہی بدلے گی بابِ زندگی
یاد اب دِل میں تری رہتی ہے ہردم اِس طرح
جس طرح ظلمت میں تاباں آفتابِ زندگی
پالیا ہے دِل نے تیرے درد سے لُطفِ حیات
آج پُورا ہو گیا ہے میرا خوابِ زندگی
درد میں آلام میں رہتے ہیں وُہ دل کے قریب
کر لیا ہے دِل نے گویا اِنتخابِ زندگی
ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو جا کے بُت خانوں میں تُو
خدمتِ مخلُوق میں ہے وُہ ثوابِ زندگی
زندگی پر ہو نہیں سکتی اجل کی دسترس
موت ہے بحرِ بقا میں اِک حُبابِ زندگی
عرشؔ میری راہ میں ایسے بھی آئے ہیں مقام
زندگی ہی بن گئی جب خُود عذابِ زندگی

کیوں نہ آپ نے اب جور و ستم چھوڑ دیا ہے
اِک خوگرِ بیداد کا دل توڑ دیا ہے

ایسے بھی ہیں کچھ اہلِ سفینہ کہ جنہوں نے
بپھرے ہوئے طوفان کا منہ موڑ دیا ہے

کیا خوب عنایت ہے زمانے کی یہ ہم پر
ہر بار کوئی تازہ ستم توڑ دیا ہے

تعظیم کے قابل ہے وہی شخص جہاں میں
جس شخص نے حالات کا منہ موڑ دیا ہے

تا حدِ نظر ظلمتِ ماحول ہے طاری
حالات نے لا کر یہ کہاں چھوڑ دیا ہے

کچھ اُن کی طرف سے بھی ہوئی ہم پہ نوازش
کچھ گردشِ ایام نے دِل توڑ دیا ہے

اِس ڈر سے کہ یہ لے نہ اُڑے ساتھ قفس کو
صیاد نے گھبرا کے مجھے چھوڑ دیا ہے

کل رات بھی میخانے میں آئے تھے نظرؔ عرش
سُنتے تھے کہ یہ شغل تو اب چھوڑ دیا ہے

وفا مطلوب تھی جن سے وفا نا آشنا نکلے
اُنہیں ہم کیا سے کیا سمجھے مگر وہ کیا سے کیا نکلے

سرِ محشر کسی بے داد گر کا حال کیا ہوگا
اگر ہم بے خطا ٹھہرے اگر ہم بے خطا نکلے

نہ چھیڑو غم زدہ دل کو یہ بہت افسردہ خاطر ہیں
پریشانی کے عالم میں نہ جانے مُنہ سے کیا نکلے

لبِ گفتار کو تم اِک ذرا تکلیفِ جنبش دو
مرا ذمہ مرے لب سے جو حرفِ مُدعا نکلے

جو دیکھا تو وہاں بھی اِک نئی دُنیا نظر آئی
یُوں ہی اِک روز ہم گلشن سے ویرانے میں جا نکلے

شبِ غم کاٹ دی ہم نے مگر اے صُبحِ آزادی
تری فُرقت کے یہ لمحے بڑے صبر آزما نکلے

نہ کوئی آشنا اپنا نہ کوئی ہم نوا اپنا
ہمیں لے کر جنابِ عرش کس محفل میں آ نکلے

لو آج ہم نے چارۂ آلام کر دیا
خود کو سپردِ گردشِ ایام کر دیا

کس سادگی کے ساتھ تری چشمِ مست نے
ہر اک نظر کو موردِ الزام کر دیا

ہم ہو رہے تھے آمدِ واعظ سے شادکام
کس بے ادب نے ذکرِ مے و جام کر دیا

راہِ حیات میں جو تری یاد آ گئی
اک سجدۂ خلوص بہر گام کر دیا

کس منہ سے کیجئے تری رحمت کا شکریہ
دل کو اسیرِ تلخیٔ آلام کر دیا

کچھ شاعری کے فیض سے رسوا ہوئے تھے عرش
کچھ مے کشی نے دہر میں بدنام کر دیا

روز کے انکار سے تنگ آ گئے
ہم تو اِس تکرار سے تنگ آ گئے

اشک دم بھر کے لئے تھمتے نہیں
دیدۂ خُوں بار سے تنگ آ گئے

اِس قدر آسانیاں بھی کیا ہوئیں
ہم رہِ ہموار سے تنگ آ گئے

عشق کا آزار بھی کچھ کم نہیں
ہم تو اِس آزار سے تنگ آ گئے

کچھ زمانے نے پریشاں کر دیا
کچھ دلِ بیزار سے تنگ آ گئے

اے دلِ کم بخت ! اب کچھ صبر کر
ہم ترے اصرار سے تنگ آ گئے

کیا پہنچتے منزلِ مقصود پر
جو رہِ پُرخار سے تنگ آ گئے

عرشؔ اِس میں بہتری ہو گی کوئی
ہم جو قلبِ زار سے تنگ آ گئے

نہ جانے کس قدر ٹھوکریں اِس کے مُقدر میں
بڑے آرام سے ہے اب بلائے غم مرے گھر میں
مُیسّر ہوں جسے رنگینیاں تیرے تصوُّر کی
تجھے وُہ کس لئے ڈھونڈے ہجُوم ماہ و اختر میں
بلائے یاس و حسرت گو مُقدّر ہو گئی لیکن
اگر چاہو بدل سکتے ہو تم اِس کو گھڑی بھر میں
وفورِ نا اُمیدی میں یہ کہہ کر رو پڑی شبنم
گھڑی بھر کی ہوُں مَیں مہمان آغوشِ گُلِ تر میں
کہاں ہَیں اور کیا ہَیں ہوش اِتنا بھی نہیں ہم کو
عجب کیفیتیں ہیں اُس نگاہِ کیف پرور میں
مُخالف ہے زمانہ تو نہیں اسے عرشؔ کچُھ پروا
مجھے مِل کر رہے گا جو بھی لکھّا ہے مُقدّر میں

زندگی وابستہ کر بیٹھے ہیں میخانے کے ساتھ
جب سے رغبت ہو گئی ہے ہم کو پیمانے کے ساتھ

دیکھتے رہتے ہیں ہر دم چشم حیرت سے مجھے
وہ بھی دیوانے ہوئے جاتے ہیں دیوانے کے ساتھ

میرے ساقی ہے مجھے دیر و حرم کا احترام
دل کو لیکن ربط ہے تیرے ہی پیمانے کے ساتھ

چاہیئے مجھ کو مرے جوش جنوں پر چھوڑ دیجئے
آپ کیا لیں گے اُلجھ کر ایک دیوانے کے ساتھ

جام میں ساقی اُلٹ دے آج سارا میکدہ
جُرعہ جُرعہ کس لئے دیتا ہے پیمانے کے ساتھ

دِل کے دَرد دِلادوا کی قدر کر
اِس متاعِ بے بہا کی قدر کر

زندگی کی ہر اَدا ہے دِل نشیں
زندگی کی ہر اَدا کی قدر کر

پھر کبھی یہ لوگ ملنے کے نہیں
ہم سے اربابِ وفا کی قدر کر

جنسِ اخلاص وفا نایاب ہے
جنسِ اخلاص و وفا کی قدر کر

جس کے دم سے ہے بہارِ میکدہ
اُس نگاہِ کیف زا کی قدر کر

مٹ گئے ہیں جو وفا کی راہ میں
عرشیؔ اُن کے نقشِ پا کی قدر کر

دیکھتا رہتا ہے اُس بُت کو برابر آئینہ
دیدۂ حیرت بنا رہتا ہے اکثر آئینہ

پھر اُبھر آئے نہ آنکھوں میں ترا نقشِ جمال
چھین لے ہاتھوں سے میرے اے ستمگر آئینہ

ہم سے کہتے کاش ہم اِک روز اپنے دل کا حال
مُدعا دل کا سمجھ سکتا ہے کیوں کر آئینہ

اِس طرح کھاتے رہیں کب تک فریبِ دوستی
ہر حقیقت ہو چکی ہے اب تو ہم پر آئینہ

اپنے ہر انداز پہ اپنی اداِئے ناز پہ
مُسکرا دیتے ہیں وہ سینے پہ رکھ کر آئینہ

عرشؔ تڑپاتی ہے جب یادِ بہارِ زندگی
کیوں چبھو دیتا ہے دل میں غم کے نشتر آئینہ

۴۸

مست آنکھوں میں مئے گلفام لے کر آ گئے
ساتھ اپنے وہ سہانی شام لے کر آ گئے

تلخیٔ رنج و الم پر ہو رہا تھا تبصرہ
شیخ صاحب میکدے سے جام لے کر آ گئے

میں نے جب بھی شدتِ آلام میں آواز دی
آپ اکثر راحت و آرام لے کر آ گئے

ہر نظر نے اجنبی انداز سے دیکھا۔ مگر
ہم تری محفل میں تیرا نام لے کر آ گئے

بے ارادہ مسکرا کر جھوم اٹھی زندگی
آپ مست آنکھوں میں کیا پیغام لے کر آ گئے

عرشؔ! اُن کی بزم میں پھر اپنی رسوائی ہوئی
آج پھر ہم ضبط کا انعام لے کر آ گئے

زندگی آج اِس انداز سے لہرائی ہے
در و دیوار سے جینے کی صدا آئی ہے
باغِ اُمید پہ کیا مسرت گھٹا چھائی ہے
آج ہر موجِ صبا جام بہ کف آئی ہے
کس کی جرأت کہ تمنائے مئے و جام کرے
تیری آنکھوں نے قیامت کی کشش پائی ہے
آپ ہی آپ ہیں اب اِس کے سوا کچھ بھی نہیں
ساری دُنیا مری آنکھوں میں سمٹ آئی ہے
جب تری چشمِ محبت کا سہارا نہ ملا
زندگی بادہ و پیمانہ سے بہلائی ہے
کون ہے بزمِ تمنا میں مرے پیشِ نظر
بے ارادہ جو مرے لب پہ ہنسی آئی ہے
مے گساروں سے ملاقات ہوئی ہے جب بھی
زندگی اور بھی کچھ جھوم کے لہرائی ہے

اِس سے پہلے تھی عجب رنگ کی افسُردہ دِلی
آپ آئے ہیں تو پھُولوں کو ہنسی آئی ہے

آپ کے جورِ مُسلسل کا گِلہ کون کرے ؟
ہم نے تو اپنی وفاؤں کی سزا پائی ہے

ہائے بے باک تمنّا کی یہ معصُوم اُدا
محفلِ دِل میں جو چُپکے سے چلی آئی ہے

بھر لیا خارِ غم و رنج سے دامانِ حیات
ہم نے احباب سے یہ دادِ وفا پائی ہے

جشنِ جمہُور کا شاید کوئی اعجاز ہے یہ
ہم نے ہر لب پہ تبسّم کی ضیا پائی ہے

عرشؔ! جب دَیر و حرم میں نہ مِلا اِس کو سکُوں
زِندگی چُپکے سے میخانے چلی آئی ہے

اُن سے کیا جو ذکرِ غمِ دل کبھی کبھی
وُہ مُسکرا دیئے سرِ محفل کبھی کبھی

دریائے زندگی میں تلاطم کے باوجود
کشتی گئی ہے جانبِ ساحل کبھی کبھی

رنگینیٔ بہار کبھی گُذری ہے ناگوار
کُچھ اِس طرح بُجھا ہے مرا دِل کبھی کبھی

وُہ آپ اپنے رنگِ تغافل کو دیکھ کر
شرما کے رہ گئے سرِ محفل کبھی کبھی

ایسا بھی وقت آیا ہے اِس زندگی میں عرشؔ
راحت بہ چھا گیا ہے غمِ دل کبھی کبھی

کچھ نشترِ غم کی خلش بھی ہے کچھ لطف مئے گلفام بھی ہے
اُس ایک نظر کی جُنبش میں تکلیف بھی ہے آرام بھی ہے

ہم محفلِ بادۂ و ساغر سے اُٹھے تو ہیں پیاسے ہی لیکن
آوازِ شکستِ دل میں نہاں آوازِ شکستِ جام بھی ہے

بربادیٔ دل کا غم تو نہیں لیکن یہ رنج ہے کیوں کہ
کہتے ہیں مری بربادی سے بدنام تمہارا نام بھی ہے

تم حاکمِ وقت ہو قسمت سے تم جو چاہو کر سکتے ہو
کہہ دو اگر تو صبح بھی ہے تم کہہ دو اگر تو شام بھی ہے

میں ساقیٔ محفل کے صدقے میں ساقیٔ محفل کے قرباں
آنکھوں میں لرزتے اشک بھی ہیں ہاتھوں میں شکستہ جام بھی ہے

گو خاک بسر ہوں دنیا میں پھر بھی تابندہ خیالوں سے
نکھری ہوئی ہر اک صبح بھی ہے مہکی ہوئی ہر اک شام بھی ہے

کچھ لوگ سمجھتے عرشیؔ اسے کچھ لوگ سمجھتے صہبائی
یہ حسن و ادا کا دیوانہ مشہور بھی ہے گمنام بھی ہے

ہم جو رُسوا ہوئے اِس میں تری تقصیر نہیں
عشق بُجھتا ہوا اِک ساز ہے تصویر نہیں
کون سا رنج ہے ہم جس سے شناسا نہ ہوئے؟
کون سا غم ہے جو دِل کے لئے تعزیر نہیں
ڈھونڈ سی لیں گے جہاں میں کوئی جینے کی سبیل
غم زدہ ہو کے بھی ہم قائلِ تقدیر نہیں
اہلِ غم زیست کی راہوں میں عبث رُک سے گئے
زندگی اصل میں رفتار ہے زنجیر نہیں
ناموافق ہیں جو حالات تو کیا غم اِس کا؟
گردشِ وقت ہے یہ گردشِ تقدیر نہیں
ایسی دُنیا سے تو انسان کنارا کر لے
جس میں جذباتِ محبّت کی بھی توقیر نہیں
عرشؔ جس دَور کا ارمان تھا وُہ دَور کہاں
عالمِ خواب ہے یہ خواب کی تعبیر نہیں

اُمیدِ مسرّت میں آہوں کا دُھواں کب تک ؟
اے کشتۂ غم آخر یہ شورِ فغاں کب تک ؟
اے اہلِ ستم تُم بھی یہ بات ذرا سوچو
رہتے ہیں ستم خوردہ محرومِ زباں کب تک ؟
اے جذبۂ خود داری اے حسرتِ مختاری
اِنساں درِ اِنساں پہ فریادکُناں کب تک ؟
اِک روز بکھیریں گے ہم نغمے مسرّت کے
غم ہی کی صدا دیں گے تارِ رگِ جاں کب تک ؟
اے ذوقِ سحر آخر اتنا تو بتا ہم کو
ہر سُو نظر آئیں گے ظلمت کے نشاں کب تک ؟

رہے ہیں تشنہ لب و تشنہ کام مے آشام

اگرچہ تیری نظر نے لنڈھائے جام پہ جام

ہر ایک جبر کو کر لوں گا میں قبول مگر

نہ دیجئے مرے اخلاص کو کوئی الزام

رہِ حیات میں ہر گام پہ ہے حرص و طمع

رہِ حیات میں ہر گام پہ ہے دانہ و دام

کہیں ہے دورِ مسرت، کہیں ہے یورشِ غم

ابھی ہے قابلِ ترمیم زندگی کا نظام

اگرچہ حد سے زیادہ ہے بے رخی تیری

رہے گا پھر بھی مرے لب پہ تیرا ذکر مدام

سمٹ کے خود ہی چلی آئی منزلِ مقصود
نہ چلنے پائے تھے اہلِ جنوں ابھی دو گام

ہم اُن کی پستیٔ ذوقِ طلب پہ روتے ہیں
جو تیری راہ میں آ کر پلٹ گئے ناکام

مٹے فریب و دغا اب مجھے نہیں درکار
مرے خلوص و وفا سے بھرا ہے دل کا جام

یہی ہے لطفِ محبت کہ تم بھی ساتھ رہو
بچھڑ کے وادیٔ حسرت میں ہم کہاں ناکام

یہ آرزو ہے کہ میں خدمتِ ادب ہی کروں
یقین کیجئے مجھ کو نہیں ہے خواہشِ نام

بہت طویل ہے افسانۂ محبت عرشؔ
تمام عمر سنا کر بھی ہو سکے نہ تمام

ناکامیٔ اُلفت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟
کوتاہیٔ قسمت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

اپنوں کی عنایت سے تو برباد ہُوئے ہیں
اپنوں کی عنایت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

ماحول بھی دِل سوز ہے حالات بھی ناساز
بے مہریٔ قسمت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

تخلیق کیا ہے جسے اِنساں کی ہوس نے
اُس دورِ عصبیت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

آغازِ محبت ہی میں دُشمن تھا زمانہ
انجامِ محبت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

بے چین ہیں نظریں تو پریشان ہے دِل بھی
آزارِ محبت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

جب اپنی دعائیں ہی ہوں دلِ جاں کی دشمن
پھر شوخیٔ قسمت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

جس چشمِ عنایت میں ہے بیگانگی اے عرشؔ
اُس چشمِ عنایت کا گِلہ کِس سے کریں ہم ؟

قیامت کی گھڑی آئی کہ یہ ہنگام شام آیا
اِدھر رِندوں نے توبہ کی اُدھر گردش میں جام آیا

شکستہ ہو کے جامِ مے ہُوا ہے تنگِ میخانہ
مگر پیمانۂ دِل ٹوٹ کر بھی میرے کام آیا

تلاشِ راحت و عشرت میں گذری زندگی لیکن
نہ راحت کی گھڑی آئی نہ عشرت کا مقام آیا

ہر اِک پیاسے کو ہم نے مست دیکھا بزمِ ساقی میں
ہمیں بدبخت تھے جن تک نہ مے آئی نہ جام آیا

وفورِ یاس میں دل کے شکستہ ساز سے اکثر
نہ اُلفت کی صدا آئی نہ جینے کا پیام آیا

کہاں کی دولتِ عشرت کہاں کی دولتِ راحت
محبت میں فقط سرمایۂ غم دل کے کام آیا

ہر اِک نافہم نے محفل میں جی بھر کر مذمت کی
جہاں بدقسمتی سے عرشِ صہبائی کا نام آیا

دستِ ساقی سے گرا جب کوئی ساغر ٹوٹ کر
رہ گئے میرے دلِ نازک پہ پتھر ٹوٹ کر

زندگی ملتی ہے دنیا میں فنا ہونے کے بعد
سازِ دل کا نغمہ زن ہوتا ہے اکثر ٹوٹ کر

مجھ سے شاید مدتوں کی تھی شناسائی انہیں
آفتیں کچھ اس طرح آتی ہیں مجھ پر ٹوٹ کر

کھیلنے کو آپ بے شک میرے غم سے کھیلئے
رہ نہ جائے دل میں کوئی غم کا نشتر ٹوٹ کر

کیا کروں یارب الٰہی غم کھائے جاتی ہے مجھے
کیوں نہیں گرتے زمیں پہ ماہ و اختر ٹوٹ کر؟

جس صدا سے رقص میں آتی ہے روحِ کائنات
وہ صدا دیتا ہے دل کا ساز اکثر ٹوٹ کر

عرشی! ہم تو اس بتِ کافر ادا کے ہو گئے
آ گیا دل جس بتِ کافر ادا پر ٹوٹ کر

وجہِ تسکیں ہے ہر منظرِ دل نشیں مطمئن ہے نظر چاندنی رات میں
کس کے حسنِ مجسم کا یہ عکس ہے! کون ہے جلوہ گر چاندنی رات میں!

پھول ہی پھول ہیں جس طرف دیکھئے پھول ہی پھول ہیں جس طرف جائیے
اور بھی پُرکشش ہو ہر اک رہ گذر وہ جو ہوں ہم سفر چاندنی رات میں

ہم گل و غنچہ کی دلکشی کیا کہیں، سبزہ و برگ کی تازگی کیا کہیں؟
پھر بہارِ گلستاں کی کیا بات تھی آپ ہوتے اگر چاندنی رات میں

کیا کہوں اب میں کس کی حکایت تھی یہ اس حکایت میں کس کی محبت تھی یہ
چاند تارے بھی محوِ تبسم رہے میری ہر بات پر چاندنی رات میں

جی میں آیا کہ ہم مسکراتے رہیں شعر کہتے رہیں گنگناتے رہیں
کیا کہیں دل میں کیا کیا امنگیں اٹھیں آپ کو دیکھ کر چاندنی رات میں

اے دلِ غم زدہ تیرے ارشاد پر کھیل جائیں گے جانِ حزیں پر مگر
اس بتِ سیم تن کی طلب میں کہیں کھو گئے ہم اگر چاندنی رات میں!

عرشِ راحت کی کلیاں چٹکنے لگیں، رنگ و نکہت کے طوفاں اٹھنے لگے
عالمِ شوق میں جس طرف اٹھ گئی اُن کی کافر نظر چاندنی رات میں

اثرِ تلخیٔ حالات پہ ہنس دیتا ہوں

اب یہ عالم ہے کہ ہر بات پہ ہنس دیتا ہوں
کیا تماشا ہے کہ سب مجھ سے اُلجھ پڑتے ہیں
جب مَیں فرسودہ روایات پہ ہنس دیتا ہوں
وُہ سمجھتے ہیں نہیں مجھ کو ذرا پاسِ اَدب
میری عادت ہے کہ ہر بات پہ ہنس دیتا ہوں
جن کو بوسیدہ رسُومات سے دلچسپی ہے
ایسے لوگوں کے خیالات پہ ہنس دیتا ہوں
ایک وُہ ہیں کہ ہر اِک بات پہ ہیں برہم سے
ایک مَیں ہوں کہ ہر اِک بات پہ ہنس دیتا ہوں

عقل خود حیران ہے وحشت پرستی دیکھ کر
اشرف المخلوق کی اس درجہ پستی دیکھ کر

بے تعلق جامِ مے سے اور پھر کیفِ مدام
محوِ حیرت ہوں تری آنکھوں کی مستی دیکھ کر

جام رکھتے ہیں قرینے سے کہیں صہبائے ناب
کس قدر جی خوش ہوا رندوں کی بستی دیکھ کر

دیکھنا بے اختیاری - ہم نے توبہ توڑ دی
اُن کی آنکھوں میں سرور و کیف و مستی دیکھ کر

اب نہ غم کا کوئی ہنگامہ نہ راحت کا خیال
دم بخود ہوں دل کی بہ خلوت پرستی دیکھ کر

عرشؔ ! اربابِ وفا کی اس روش کو کیا کہوں ؟
طعنہ زن ہیں آج میری تنگ دستی دیکھ کر

وُہ مائلِ کرم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے
دِل کا سکوں بہم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

دِل فارغِ الم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے
کیا جَور۔ کیا ستم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

بس اِک نظر میں مِٹ کے رہی کائناتِ دِل
یہ حادثہ بھی کم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

غم کی ہر اِک خلش تھی اگرچہ وبالِ جاں
دِل کا یہ بوجھ کم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

کِن سخت مرحلوں سے نہ گُزری وفائے عشق
ہونے کو کیا ستم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

ہم غم زدوں کو داد دے اے مبلغِ کرم!
ہم پر ترا کرم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

اہلِ جہاں نے غم تو دیئے تھے ہزار عرشؔ!
کوئی شریکِ غم نہ ہُوا۔ پھر بھی ہم جئے

احباب بھی بدظن ہیں مقدر بھی خفا ہے
شاید مرے ناکردہ گناہوں کی سزا ہے

جو جرم بھی ہے تم نے نہیں ہم نے کیا ہے
یہ ٹھیک ہے، یہ سچ ہے، یہ برحق، یہ بجا ہے

تعریف کے قابل ہے وُہی بندۂ دیں دار
دُنیا میں جو رہتے ہوئے دُنیا سے جدا ہے

اے گردشِ ایام! فقط اتنا بتا دے
اِس بندۂ ناچیز سے کیا جُرم ہُوا ہے

اب آپ کی مرضی ہے یہ آئیں کہ نہ آئیں
جذبات کی دُنیا میں تو اِک حشر بپا ہے

کیا غم ہے اگر آپ بھی کر لیں گے کِنارا
کہتے ہیں کہ دُنیا میں غریبوں کا خُدا ہے

اے کاش! وُہ کچھ واقفِ آدابِ وفا ہوں
ہم جان چھڑک سکتے ہیں دل چیز ہی کیا ہے

ہم عرش کو شاید کہیں پہلے بھی ملے ہیں
اِس شخص کی ہر بات زمانے سے جُدا ہے

ہنگامہ ہائے بادہ و پیمانہ دیکھ کر
ہم رُک گئے ہیں راہ میں میخانہ دیکھ کر

با احترام ساغر و مینا بڑھا دیئے
ساقی نے میری جُرأت رندانہ دیکھ کر

پھر یاد آ گئی ہے تری چشمِ مے فروش
محفل میں رقصِ بادہ و پیمانہ دیکھ کر

حیراں ہوں اُن کے دیدۂ حیراں کو کیا ہوا
دیوانے ہو گئے مجھے دیوانہ دیکھ کر

توبہ کا احترام بھی لازم رہا مگر
نیت بدل گئی مری پیمانہ دیکھ کر

ہر در سے بے نیاز رہے لاکھ اگرچہ ہم
سجدے میں گر گئے درِ میخانہ دیکھ کر

جنسِ اُلفت کی وُہ ارزانی ہوئی
عشق کی سب آب رُو پانی ہُوئی
دیکھ کر میری نظر کی جُرأتیں
اُن کے جلووں کو بھی حیرانی ہُوئی
مَطلعِ انوار تھی اُن کی نظر
مُسکراہٹ مَطلعِ ثانی ہُوئی
اِک ستم گر کو ستم گر کہہ دیا
عرشؔ ہم سے سخت نادانی ہُوئی

میری محفل سے وُہ ظالم جب خفا ہو کر اُٹھا
فِتنۂ محشر سے پہلے فِتنۂ محشر اُٹھا

اے دِلِ بیتاب ناواجب ہیں یہ خاموشیاں
کوئی ہنگامہ بپا کر۔ کوئی تو محشر اُٹھا

ہو رہے ہیں محفلِ رنداں میں کس کے تذکرے؟
بزمِ مَے سے کون محرومِ مے و ساغر اُٹھا؟

ناتواں سی جان وُہ بھی مُبتلائے بارِ زیست
سخت حیراں ہوں کہ مجھ سے بوجھ یہ کیونکر اُٹھا!

سجدہ ہائے روز و شب نے تلخ کر دی زندگی
محفلِ دیر و حرم سے شور یہ اکثر اُٹھا

چھا گئی ہیں میکدے پر پھر گھٹائیں جھوم کر
عرشؔ استقبالِ موسم میں ذرا ساغر اُٹھا

مُبہم سے اشاروں کا اثر غور طلب ہے
اُن کا ہر اِک اندازِ نظر غور طلب ہے

دُنیا سے تعلق ہے نہ عُقبیٰ سے غرض اب
صہبائے محبت کا اثر غور طلب ہے

مفہومِ نظر کچھ بھی ہو اے ساقیٔ محفل
لیکن ترا اندازِ نظر غور طلب ہے

اِتنی سی گذارش ہے کہ وُہ جلوہ نما ہوں
گو کچھ بھی نہیں بات مگر غور طلب ہے

ہے شوخیٔ انداز میں کچھ حُسنِ ادا بھی
اُن کی یہ اچٹتی سی نظر غور طلب ہے

بے باکیٔ گفتار پہ برہم تو وُہ ہوں گے
بے باکیٔ گفتار مگر غور طلب ہے

رُودادِ محبت ہو کہ افسانۂ ہستی
جو بات ہے اے دیدۂ تر غور طلب ہے

بے جام و سبُو تشنہ دہن جھُوم رہے ہیں
ساقی کی نگاہوں کا اثر غور طلب ہے

جب بھی ہنگامِ شام ہوتا ہے
ذکرِ مینا و جام ہوتا ہے
غم کو نفرت سے دیکھنے والو
غم کا بھی اِک مقام ہوتا ہے
وُہ بشر جو ہو صاحبِ اِخلاق
قابلِ احترام ہوتا ہے
جو محبّت میں جان دیتے ہیں
اُن کا دُنیا میں نام ہوتا ہے
آ ہی جاتی ہے منزلِ مقصود
شوق جب تیز گام ہوتا ہے
گو ہم اپنی گرہ سے پیتے ہیں
پھر بھی ساقی کا نام ہوتا ہے
چشمِ ساقی کا ہر اشارہ عرشؔ
زندگی کا پیام ہوتا ہے

مستیٔ بادۂ گلفام سے وابستہ رہی
زندگی رقصِ بط و جام سے وابستہ رہی

لوگ کہتے ہیں کہ اِس میں مرا مذکور بھی تھا
وہ حکایت جو ترے نام سے وابستہ رہی

دِل جو گھبرایا تو میخانے میں ہم جا بیٹھے
ہر خلش بادۂ گلفام سے وابستہ رہی

اُس کی مجبوریٔ پیہم پہ ذرا غور کریں
جو تمنّا دلِ ناکام سے وابستہ رہی

عرش مدّت ہوئی گو ترکِ مے و جام کئے
پھر بھی تہمت یہ مرے نام سے وابستہ رہی

ہم نے بے مہریِ حالات کا شکوہ نہ کیا
غم اُٹھا کر بھی کسی بات کا شکوہ نہ کیا

مُسکراتے ہوئے ہر بار کہا ہے لبیک
اہلِ دِل نے کبھی آفات کا شکوہ نہ کیا

بارِ خاطر تھا بہت ساقیِ محفل کا سُلوک
پھر بھی رِندوں نے کسی بات کا شکوہ نہ کیا

اپنی آنکھوں سے وُہ خُود دیکھ لیں انجامِ ستم
اِس لئے ہم نے کسی بات کا شکوہ نہ کیا

آپ بھی ترکِ مُلاقات پہ مجبور رہے ہے
ہم نے بھی ترکِ مُلاقات کا شکوہ نہ کیا

خُود پشیمان ہوئے ترکِ مُلاقات پہ وُہ
ہم نے جب ترکِ مُلاقات کا شکوہ نہ کیا

ہم نے خاموشیٔ لب سے کہی رُودادِ اَلم
وُہ سمجھتے ہیں کسی بات کا شکوہ نہ کیا

قابلِ شکوہ تو سُن لی تھیں بہت سی باتیں
ہم نے اے عرشؔ کسی بات کا شکوہ نہ کیا

ہوگئی ہے اِک ستمگر سے محبت دیکھئے
رنگ لائے کیا مرا حسنِ عقیدت دیکھئے!

رنج ملتا ہے ہمیں اِس میں کہ راحت دیکھئے
کون سا پہلو بدلتی ہے محبت۔ دیکھئے

خیر مقدم کر رہا ہوں اُن کے ہر اِک جَور کا
اُن کی فطرت دیکھئے میری طبیعت دیکھئے

پھول سے عارض پہ یہ شرم و حیا کی سُرخیاں
اُن کی آنکھوں میں نشہ جوشِ محبت دیکھئے

سب کے لب پہ ہے مری بیچارگی کا تذکرہ
عشق رُسوا ہو رہا ہے یہ مصیبت دیکھئے

لاکھ دِلکش ہو مگر صُورت کے ہم قائل نہیں
عرشؔ! اپنا یہ عقیدہ ہے کہ سیرت دیکھئے

مسکرا کر یہ ڈالی ہے کس نے نظر، یک بیک آج گردش میں جام آ گیا
جس جگہ توبہ کا دِل دھڑکنے لگے، وہ گھڑی آ گئی وہ مقام آ گیا

بے ارادہ طبیعت مچلنے لگی - لب پہ بے ساختہ تیرا نام آ گیا
زِندگی کی رہِ مضمحل پر کبھی - چلتے چلتے اِک ایسا مقام آ گیا

جھوم کر مے کدے پر گھٹا چھا گئی - صحنِ گلشن میں فصلِ بہار آ گئی
میں نے توبہ کا جب بھی اِرادہ کیا - خود سرک کر مری سمت جام آ گیا

پھر مسرت کی شہنائی بجنے لگی - زِندگی از سرِ نو سنورنے لگی
مسکراتا ہوا، گنگناتا ہوا - جب چمن میں وہ مستِ خرام آ گیا

پاسِ غیرت سے اُٹھا نہ دستِ طلب - دِل کی خودداریوں سے رہا جاں بہ لب
قابلِ داد ہے اُس کا صبر و سکوں، بزمِ ساقی سے جو تشنہ کام آ گیا

ہیں نگاہوں میں عالم کی رنگینیاں ہے فضاؤں میں اِک مستی بیکراں
چشمِ ساقی سرِ انجمن کیا اُٹھی - یہ سمجھ لو کہ گردش میں جام آ گیا

عرش دِل کی کلی مسکرانے لگی - دِل کی ہر آرزو رنگ لانے لگی
رقص کرتی جو آئی نسیمِ سحر - میں یہ سمجھا وہ مستِ خرام آ گیا

دِل شکن سی ہے فضا ماحول بھی ناساز ہے
اِس پہ طُرّہ یہ کہ وحشت بھی اثر انداز ہے
آشیاں اُس کا، چمن اُس کا، بہاریں اُس کی ہیں
جس کے بازُو میں ذرا بھی طاقتِ پرواز ہے
غم کے کانٹوں سے بھی بھر دیتے ہیں دامانِ حیات
اُن کے اظہارِ کرم کا یہ بھی اِک انداز ہے
آدمی کو کرنا پڑتا ہے سرِ تسلیم خم
دب نہیں سکتی کبھی جو وقت کی آواز ہے
اِس سے پھُوٹیں گے ہمیشہ نغمہ ہائے رنج و غم
مَوت کے ہاتھوں میں جب تک زندگی کا ساز ہے
عرشؔ رُودادِ محبّت ختم ہوتی ہی نہیں
کتنی صدیوں سے زمانہ گوش بر آواز ہے

پُرسشِ بیمارِ غم کا شکریہ
زحمتِ لُطف و کرم کا شکریہ

آپ کی چشمِ کرم کو کیا کہیں
آپ کی چشمِ کرم کا شکریہ

مَیکدے سے ہو گئے ہم رُوشناس
تلخیٔ رنج و اَلم کا شکریہ

پردہ ہائے دوستی ہیں دُشمنی
اِس نئی طرزِ کرم کا شکریہ

بُقعۂ انوار ہیں سینے کے داغ
آمدِ شامِ اَلم کا شکریہ

دَرد دے کر پُوچھتے ہو حالِ دل
اِس نوازش اِس کرم کا شکریہ

ہم نہیں تھے واقفِ مکر و فریب
دوستوں کے اِس کرم کا شکریہ

گو برائے نام ہی تھا ہر کرم
پھر بھی اُن کے ہر کرم کا شکریہ

جس نے بخشا اِک سُرورِ سرمدی
عرشؔی اُس جاں سوزِ غم کا شکریہ

بے وفا دُنیا سے اُمیدِ وفا کیا کیجئے
زندگی کو کشمکش میں مبتلا کیا کیجئے

جن گناہوں سے نہیں ہے دُور کا بھی واسطہ
مل رہی ہے اُن گناہوں کی سزا کیا کیجئے

ترکِ مے نوشی کئے گو ایک مدت ہو گئی
پھر بھی میخانے سے ہے اِک ربط سا کیا کیجئے

آپ کی چشمِ کرم کی برہمی کے باوجود
آگیا ہے لب پہ حرفِ مدعا کیا کیجئے

اَب کہاں وُہ محفلِ احباب کی رنگینیاں
اَب نظر آتا نہیں وُہ خواب سا کیا کیجئے

معترض ہوتے ہیں جب وُہ ہر نگاہ شوق پر
اَب علاج اپنے دلِ بیتاب کا کیا کیجئے

بگڑی ہوئی ہر بات کو سُلجھانا پڑے گا
اُلجھے ہُوئے حالات کو سُلجھانا پڑے گا
دُنیا کی روایات نے برباد کیا ہے
دُنیا کی روایات کو سُلجھانا پڑے گا
بے مہری حالات کا شکوہ نہیں جائز
جینا ہے تو حالات کو سُلجھانا پڑے گا
یا تشنہ لبی اپنے مُقدّر میں رہے گی
یا نظمِ خرابات کو سُلجھانا پڑے گا
ہے آرزوئے زیست کی تکمیل اسی میں
ہر عُقدۂ حالات کو سُلجھانا پڑے گا
وہ پستیٔ کردار ہو یا پستیٔ اخلاق
اِس دَور کی ہر بات کو سُلجھانا پڑے گا
اے عرش اتنا ہی کا اگر خوف ہے دِل میں
بگڑے ہوئے حالات کو سُلجھانا پڑے گا

اپنی ناکامیٔ تدبیر پہ رونا آیا
آج پھر گردشِ تقدیر پہ رونا آیا

مٹ گئے آنکھ جھپکتے ہی وہ سب رنگ محل
اپنے ہر خواب کی تعبیر پہ رونا آیا

ہم جنہیں اپنا سمجھتے تھے پرائے نکلے
جذبۂ عشق کی تاثیر پہ رونا آیا

ہر پریشانیٔ ہستی ہوئی مقدور مرا
نیتِ کاتبِ تقدیر پہ رونا آیا

سلسلہ ہائے رسوماتِ کہن چھوٹ گئے
اپنے اجداد کی جاگیر پہ رونا آیا

اب نہ وہ نغمۂ شادی ہے نہ ہنگامۂ غم
دل کی بگڑی ہوئی تقدیر پہ رونا آیا

کچھ تو ماحول کے اطوار تھے بارِ خاطر
اور کچھ شوخیٔ تقدیر پہ رونا آیا

قدر جس کی نہ ہوئی دہر میں اے مرزا کبھی
اپنی اس خوبیٔ تحریر پہ رونا آیا

بگڑی بگڑی ہے زمانے کی ہوا کہتے ہیں
ہونے والا ہے کوئی حشر بپا کہتے ہیں

ہم اُنھیں بانئ بے داد بھی کہہ دیں لیکن
سچ اگر کہئے تو سب ہم کو بُرا کہتے ہیں

کیا ستم ہے کہ زمانے میں خُدا کے بندے
وقت پڑ جائے تو بندے کو خدا کہتے ہیں

ہم جو کہتے ہیں نہیں کوئی بھی وُقعت اُس کی
وُہ جو کہتے ہیں تو سب اُس کو بجا کہتے ہیں

یہ بھی کیا سادہ دِلی ہے ترے دیوانوں کی
ظُلمتِ غم کو تبسُم کی ضیا کہتے ہیں

اے دلِ زار! نہ کر اہلِ جہاں کی پروا
خُود بُرے ہیں وُہ جو اَوروں کو بُرا کہتے ہیں

ہم بھی کس دَور سے وابستہ ہوئے ہیں اے عرش
لوگ جس دَور میں پتھر کو خدا کہتے ہیں

سر بہ سر عالمِ وحشت کا سا نقشہ ہوتا
ہم نہ ہوتے تری محفل میں تو پھر کیا ہوتا

اِس طرح راہِ محبت میں نہ اندھا ہوتا
کاش! دل نے کبھی انجام بھی سوچا ہوتا

محفلِ زیست کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا
آپ نے مُروّت نگاہوں سے جو دیکھا ہوتا

تُم کو لازم تھا کہ کچھ پاسِ وفا کا ہوتا
ہم نے چاہا تھا تمہیں۔ تم نے بھی چاہا ہوتا

اِس طرح ہم نہ بھٹکتے کبھی میخانوں میں
دیر و کعبہ میں اگر غم کا مداوا ہوتا

عمر بھر چشمِ محبت کے طلب گار رہے
کاش ہم نے کبھی تم سے تمہیں مانگا ہوتا

ہم نہ ہوتے جو ترے ناز اُٹھانے کیلئے
اے غمِ دہر! بتا حشر ترا کیا ہوتا؟

ہم نے اُس جانِ بہاراں کی تمنّا ہی نہ کی
غیر ممکن تھا کہ یہ خواب نہ پورا ہوتا۔

عمر ساری تو اِسی ایک تمنا کشش میں کٹی
کاش ایسا۔ کبھی ایسا کبھی ایسا ہوتا

وہ تو اچھّا ہوا وہ خود ہی کرم کر بیٹھے
ورنہ مشکل تھا کہ ہم سے یہ تقاضا ہوتا

عرشؔ کیا کہیئے دِل بجھ ہی گیا ہے ورنہ
اِتنا پھیکا نہ کبھی رنگِ غزل کا ہوتا

عتاب اِتنا یہ ہم پر اے نگاہِ کج غضب کیا ہے؟
ہوئی کیوں اس قدر برہم بتا اِس کا سبب کیا ہے

عنایت ہو اگر غم بارگاہِ عشق سے مجھ کو
زمانے بھر کی راحت کو میں ٹھکرا دوں عجب کیا ہے

یہ چُپ کیسی! لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہو جائے
ہم اِتنا جان لیں بے اعتنائی کا سبب کیا ہے

تمہارے ہی کرم سے آ گئی ہے جان مشکل میں
تمہیں انجان بن کر پوچھتے ہو حال اَب کیا ہے!

تعجب ہے وہ صدرِ محفلِ علم و ادب ٹھہرے
نہیں معلوم جن کو علم کیا ہے اور ادب کیا ہے

کوئی تو بات ہے اے عرشؔ جس کو تم چھپاتے ہو
وگرنہ اِس طرح خاموش رہنے کا سبب کیا ہے

گو شرطِ انتظار کی ہر چند ہے کڑی
جی لیں گے ہم فراق میں جیسے بھی بن پڑی

ہوتا ہے بزم میں جو ترا ذکر ہر گھڑی
اس سے بھی قلبِ زار کو تسکین ہے بڑی

آئے بھی آپ اور پھر آتے ہی چل دیئے
کیا لطف اِس کرم کا جو بیٹھے نہ دو گھڑی

ہونٹوں پہ مسکراہٹیں آنکھوں میں اشکِ غم
دم بھر بھی بھولتی نہیں رُخصت کی وُہ گھڑی

اِک میں ہی زندگی سے پریشاں نہیں ہُوں عرشؔ
خود میری زندگی بھی پریشان ہے بڑی

نگاہیں اُن کی سُرور و مستی ہیں اُن کی آنکھیں شراب خانہ
بڑا ہی کافر ہے دیکھ کر یہ نہ جھوم اُٹھے جو والہانہ
اُدھر جفا و ستم کے شعلے اِدھر خلوص و وفا کے تنکے
غضب ہے برق و شرر کی زد میں بنا رہا ہوں میں آشیانہ
جو دے رہے ہیں اذیتیں ہی وہ بخش سکتے ہیں راحتیں بھی
مگر ہے اس میں یہ شرط لازم کہ شوقِ اُلفت ہو والہانہ
کوئی بھی عُقدہ رہے نہ عُقدہ کوئی بھی مُشکل رہے نہ مُشکل
اگر وہ زحمت کریں گوارا۔ اگر نوازیں غریب خانہ
مجھے زمانے کا ساتھ دینا بس ایک صورت میں ہے گوارا
مری رہ منتخب پہ چلنا قبول کر لے اگر زمانہ
اگرچہ آئیں گی مشکلیں بھی۔ اگرچہ کھائیں گے ٹھوکریں بھی
مگر نہ ہاریں گے اپنی ہمت بدل کے رکھ دیں گے ہم زمانہ
سُنی ہے اکثر یہ بات ہم نے کہ عرشؔ بھی ہیں کوئی سُخن ور
اگرچہ واقف نہیں وہ ہم سے مگر تعارف ہے غائبانہ

نہ اُمیدِ کرم اُن سے نہ اُمیدِ وفا اُن سے
مگر پھر بھی ہے اِک مدّت سے قائم رابطہ اُن سے

یہی اپنی محبت ہے یہی اپنی عبادت ہے
وُہ ہم سے ہوں جُدا لیکن نہ ہونگے ہم جُدا اُن سے

زباں تھامے رہی ہر چند میرے ضبطِ پیہم کو
نگاہِ شوق نے اِس پر بھی سب کچھ کہہ دیا اُن سے

وُہ خود ہوں مائل لُطف و کرم کر دیں
مگر یہ غیر ممکن ہے کہ یں ہم التجا اُن سے

نگاہِ سرسری سے مُسکرا کر دیکھ لیتے ہیں
کوئی سیکھے ذرا ترکِ تعلّق کی اَدا اُن سے

اُنہیں جب سونپ دی اے عرشؔ تو نے زندگی اپنی
ستم کی کیا شکایت اب جفا کا کیا گلہ اُن سے

وُہ ولولے وُہ جوشِ ملاقات اَب کہاں
پہلے کبھی جو بات تھی وُہ بات اَب کہاں
وُہ مُسکرا کے دیکھنا اُن کا کبھی کبھی
سہمی ہوئی نظر کے اشارات اَب کہاں
ہمدم نہ چھیڑ عشق و محبت کے تذکرے
پہلی سی دِل میں گرمیٔ جذبات اَب کہاں
بیتے دنوں کا محض تصوّر ہے ذہن میں
وُہ میکدے کا لُطف وُہ برسات اَب کہاں
اَب بھی بڑے خلوص سے ملتے تو ہیں وُہ غرض
لیکن دلوں میں گرمیٔ جذبات اَب کہاں

ہر درد کو پہلے سے سوا دیکھ رہے ہیں
ہم اُن کی محبّت میں یہ کیا دیکھ رہے ہیں

اُس کا کرمِ جور نما دیکھ رہے ہیں
ہم صاحبِ محفل کی اَدا دیکھ رہے ہیں

بگڑی ہوئی دُنیا کی ہوا دیکھ رہے ہیں
ہم ہر قدم اِک حشر بپا دیکھ رہے ہیں

ہونٹوں پہ تبسّم تو نگاہوں میں شرارت
ہم دیکھنے والے کی اَدا دیکھ رہے ہیں

عارف بھی جسے پا نہ سکے دیر و حرم میں
ہم دِل میں اُسے جلوہ نما دیکھ رہے ہیں

معراجِ محبّت کا یہ اعجاز ہے شاید
ہم غم میں مسرّت کی ضیا دیکھ رہے ہیں

ہر دل میں کبھی جذبۂ اخلاص و وفا تھا
ہر دِل میں ہم اب مکر و ریا دیکھ رہے ہیں

کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے عرشؔ
ہر ذرّے میں ہم نورِ خدا دیکھ رہے ہیں

ہمارے ضبط کی آخر فغاں تک بات آ پہنچی
ذرا سی بات سے بڑھ کر کہاں تک بات آ پہنچی

چمن میں تذکرہ جب بھی چھڑا رنگیں بہاروں کا
تو اکثر میری چشمِ خوں فشاں تک بات آ پہنچی

دلِ ناداں! ابھی کچھ وقت ہے اِتنی نہ عجلت کر
نہ آئے گی پلٹ کر جو زباں تک بات آ پہنچی

اُنہوں نے مسکرا کے بات کا رُخ ہی بدل ڈالا
کبھی جب اُن کے حسنِ دلستاں تک بات آ پہنچی

کہیں باتوں ہی باتوں میں نہ پھر تکرار ہو جائے
وہیں تک بات رہنے دو جہاں تک بات آ پہنچی

اب یہ حسرت ہے نگاہِ شوق کو رسوا کریں
اُس بُتِ کافر ادا کو غور سے دیکھا کریں

کر رہے ہیں جو مرے شعر و سخن پر تبصرے
وُہ طبیعت میں مذاقِ شعر تو پیدا کریں

زندگی میں ہر قدم پہ ہم تو رکھتے ہیں خیال
آپ بھی کچھ وقت کی رفتار کو دیکھا کریں

وُہ جفا و جور پر بھی چاہتے ہیں ہم سے داد
جب یہ صورت ہے تو شکوہ ہم کہیں تو کیا کریں

کس قدر ہیں پُرکشش یہ کس قدر ہیں دلفریب
اپنے جلووں کو مری نظروں سے وُہ دیکھا کریں

کیا یہ لازم ہے زمانہ ہو کسی کا سازگار؟
کس لئے بے سود شکوہ ہم زمانے کا کریں

آپ ناداں ہیں محبت کو سمجھ رکھا ہے کھیل
چوٹ کھانے کا ارادہ ہے تو دل پیدا کریں

جذبۂ صادق اگر ہو تو پگھل جاتا ہے سنگ
کس لئے پھر ہم درِ محبوب پر سجدا کریں

موسمِ گُل بھی ہے ساقی بھی ہے وقتِ شام بھی
عرشؔ اب تو اہتمامِ ساغر و مینا کریں

متاعِ عیش و طرب کے بدلے ہجومِ رنج و محن ملا ہے
جو آرزوئے بہار کی ہے خزاں رسیدہ چمن ملا ہے

حکایتِ دردِ دل سُنا کر اُسے بھی غمگیں کیا ہے ہم نے
جہاں کوئی ہم زباں ملا ہے جہاں کوئی ہم سخن ملا ہے

نظامِ نو کے اجارہ دارو یہ خوب تنظیم ہے چمن کی
کسی کو حاصل ہُوا گُلِ تر۔ کسی کو خارِ چمن ملا ہے

برے مقدر کے غم کدے سے ہیں منتظر ہیں جھُوم جھُوم اُٹھیں
کبھی کبھی مائلِ کرم جو وہ زینتِ انجمن ملا ہے

تمہاری آنکھوں کی مستیوں سے تمہاری رنگینیٔ نظر سے
نگاہ کو مستیاں ملی ہیں چمن کو رنگِ چمن ملا ہے

وہی محبت کے چہچہے ہیں وہی مسرت کے قہقہے ہیں
ہجومِ غم میں کبھی مجھ کو اکثر دلِ حزیں خندہ زن ملا ہے

سوچ لیں یہ بھی مرے غم کا مداوا جو کریں
ہیں مری تقدیر میں روزِ ازل سے ٹھوکریں

مَیں بھی سمجھاؤں گا اِس کو باز آئے عشق سے
آپ بھی تلقینِ ترکِ آرزو دل کو کریں

کون سا عقدہ ہے جو حل ہو نہیں سکتا کبھی
آپ ہمت تو بڑھائیں۔ آپ کوشش تو کریں

تلخیٔ غم کا مداوا بادہ و ساغر بھی ہے
اب یہ مرضی آپ کی ہے جو مناسب ہو۔ کریں

یہ کہاں کی ہے محبت؟ یہ کہاں کا ہے خلوص؟
آپ چاہیں بھی مجھے بدنام بھی مجھ کو کریں

مجھ میں دم ہوگا تو کر لُوں گا میں اِن کا سامنا
حادثاتِ زندگی اب دِل میں آئے جو کریں

اُن کو خونِ آرزو مطلوب ہے، یُوں ہی سہی
اِک ذرا سی بات پر ہم کیوں خفا اُن کو کریں

یہ حقیقت ہے بشر انسان بن سکتا نہیں
گردشِ ایّام کی جب تک نہ کھائے ٹھوکریں

مگر وہ دل کا ساغر کیف سے لبریز ہوتا ہے
محبت میں ہر اک لمحہ مسرت خیز ہوتا ہے

وفورِ غم میں دل جب درد سے لبریز ہوتا ہے
ترا پیغام اِس عالم میں راحت خیز ہوتا ہے

بہ ظاہر مسکرا دیتا ہوں میں ہر زخمِ تازہ پر
مگر پیمانۂ دل درد سے لبریز ہوتا ہے

ہزاروں بجلیاں سی ٹوٹ پڑتی ہیں دل و جاں پر
نظر میں جب ترا حسنِ قیامت خیز ہوتا ہے

مبارک ہے رہِ ہستی میں یہ ناکامیٔ پیہم
جو منزل دور ہو تو شوقِ منزل تیز ہوتا ہے

ہر اک عالم گراں ہوتا ہے اِس کی طبعِ نازک پر
دلِ شاعر بھی گویا غنچۂ نوخیز ہوتا ہے

اِسی ڈر سے ہم اُس بت کی تمنا ہی نہیں کرتے
حدیثِ شوق کا انجام درد انگیز ہوتا ہے

تری معصوم نظروں کو کوئی کیوں کر یہ سمجھائے
کہ مبہم سا اشارہ بھی قیامت خیز ہوتا ہے

اِسی باعث تو اپنے دل پہ ہم اے عرشؔ نازاں ہیں
کہ یہ رنج و الم میں بھی تبسم ریز ہوتا ہے

صدمے بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اِس راہ میں غم بھی مِلتا ہے
دِل پہ جو محبت میں گذرے سُن کر وُہ کلیجہ ہِلتا ہے
کچھ ایسے بھی نازک لمحے ہیں کچھ ایسی بھی نازک گھڑیاں ہیں
جب غم سے تسلی ہوتی ہے جب غم سے سہارا مِلتا ہے
وُہ دُشمن جان و دِل ہی سہی وُہ بانیٔ جور و جفا ہی سہی
لیکن یہ وصف غنیمت ہے مِلتا ہے تو ہنس کر مِلتا ہے
اِنسان کے ہاتھوں اِنساں پہ کیا کیا ہائے کیا کیا گذری
یہ درد بھری باتیں سُن کر پتھر سا کلیجہ ہِلتا ہے
ہو غیر موافق بادِ صبا ہو درہم برہم نظم چمن
ہر حال میں طائر گاتے ہیں ہر رنگ میں غنچہ کھِلتا ہے
اے عرشؔ تمہیں ہو ایک تمہیں بیزار جفائے دُنیا سے
ہم سب کو پریشاں پاتے ہیں ہر شخص پریشاں مِلتا ہے

کیا مُسکرا کے اُن کی نظر بات کر گئی
ہر سمت نغمگی سی فضا میں بکھر گئی

اُکتا گئے تھے گردشِ ایام سے مگر
اُن کی نگاہ جینے پہ مجبور کر گئی

اظہارِ آرزو اُنہیں گزرے نہ ناگوار
اس کشمکش میں عمرِ تمنا گذر گئی

وارفتگانِ عشق نے کی ہے تری تلاش
صحرائے زندگی میں جہاں تک نظر گئی

دیکھا جو مےکشوں کو درِ میکدہ کے پاس
چپکے سے آ کے گردشِ دوراں ٹھہر گئی

بحرِ حیات میں اُسے ساحل ہوا نصیب
کشتی جو بے نیازِ تلاطم گذر گئی

اُن کی اِک مبہم نظر کافی نہیں
گو بہت کچھ ہے مگر کافی نہیں

اور بھی دل پہ بلائیں ٹوٹتیں
گردشِ شام و سحر کافی نہیں

آپ کا حُسنِ کرم بھی چاہیئے
اِک فقط حُسنِ نظر کافی نہیں

تُو نے غم سے بھی نوازا ہے مجھے
یہ نوازش ہے مگر کافی نہیں

جوش پر ہو شدّتِ دردِ دروُں دل
یہ خلش اے چشمِ تر کافی نہیں

بندہ پَرور بہرِ تسکینِ حیات
اِک اُچٹتی سی نظر کافی نہیں

اِس میں بھر دو کچھ نظر کی مستیاں
جامِ صہبا میں اثر کافی نہیں

گفتگو کا بھی محل ہوتا کوئی
یہ نگاہِ مختصر کافی نہیں

حضرتِ یکتؔا بھی ہیں محفل نشیں
عرشؔ سی مے تو ہے مگر کافی نہیں

مٹ جناب دلبر راج یکتاؔ۔

ہیں جبینِ وقت پہ آثار کیا کیا دیکھئے
رنگ لائے اب زمانے کی ہوا کیا دیکھئے

رفتہ رفتہ تیز ہوتی جا رہی ہیں دھڑکنیں
دل کو یہ بیٹھے بٹھائے ہو گیا کیا دیکھئے

ظاہرا اظہارِ اُلفت اور در پردہ فریب
دوست دیتے ہیں وفاؤں کا صلہ کیا دیکھئے

ایک غم ہو زندگی میں تو مداوا بھی کریں
داغ پنہاں ہیں مرے سینے میں کیا کیا دیکھئے

عرشؔ ہم سے ہر کوئی برہم بھی ہے بیزار بھی
آشنا کیا دیکھئے نا آشنا کیا دیکھئے

ہم کو مل جائے گا منزل کا سُراغ
دِل میں روشن ہیں اُمیدوں کے چراغ

پھُول سے رُخسار پھر یاد آ گئے
پھر معطّر ہو گیا اپنا دماغ

بے ثمر ہوتا ہے نخلِ آرزو
جب محبّت کا اُجڑ جاتا ہے باغ

رنج و غم کی آندھیوں کے باوجُود
جلتا رہتا ہے محبّت کا چراغ

بات بھی اب کیجئے تو کس سے عرشؔ
آسماں پر ہے زمانے کا دماغ

تمہاری بے وفائی کا گِلہ کرتے تو کیا کرتے
زمانہ بے وفا تھا تم وفا کرتے تو کیا کرتے

مذاقِ عشق دُنیا کی نظر میں پست ہو جاتا
بھری محفل میں اُن کا تذکرہ کرتے تو کیا کرتے

کبھی تو سامنے آتا تو کوئی بات بھی ہوتی
فقط ہم احترامِ نقشِ پا کرتے تو کیا کرتے

اجازت تک نہ تھی محفل میں ہم کو لب کُشائی کی
کسی کے جورِ بے جا کا گِلہ کرتے تو کیا کرتے

نظر بے کیف، دِل ویراں، حواس و ہوش تک غائب
پریشاں حال عرضِ مُدّعا کرتے تو کیا کرتے

تمہیں بھی عشق کے آداب کا کچھ پاس تو ہوتا
ہمیں رسمِ وفا کی ابتدا کرتے تو کیا کرتے

نہ جانے آپ کو کس ذوق سے ملتی فرصتِ جلوہ
نظر کو کشمکش میں مبتلا کرتے تو کیا کرتے

بَلا کی تُند موجیں تھیں، بڑا پُر زور طوفاں تھا
سفینے کو سپُردِ ناخدا کرتے تو کیا کرتے

سلیکہ اہلِ دُنیا سے نہ دل دیوانہ بن جائے
جسے ہم آشنا سمجھیں وہی بیگانہ بن جائے

غنیمت ہے کہ راحت اور غم پہلو بہ پہلو ہیں
وگرنہ زندگی بے کیف سا افسانہ بن جائے

کسی لمحہ شکیبائی کسی لمحہ پریشانی
جو اک عالم رہے تو آدمی دیوانہ بن جائے

بکھر جائے اگر تیری نگاہِ شوخ کی مستی
تعجب کیا جو دُنیا ہوش سے بیگانہ بن جائے

اسی میں مصلحت ہے چُپ رہیں ہم بزمِ عالم میں
کریں کیا بات جب ہر بات کا افسانہ بن جائے

میری جانب دیکھ کر تھوڑی سی دیر
جھک گئی اُن کی نظر تھوڑی سی دیر

آپ کے بیمارِ غم کو دیکھ کر
مسکرائے چارہ گر تھوڑی سی دیر

عین ممکن ہے سنبھل جائے حیات
آپ رک جائیں اگر تھوڑی سی دیر

باوجودِ ہوش تیرے حسن میں
کھو ہی جاتی ہے نظر تھوڑی سی دیر

چلتے چلتے ہم یوں ہی رک سے گئے
آپ کو بس دیکھ کر تھوڑی سی دیر

ہم بھی مے خانے سے آئے ہیں ابھی
آپ سے کچھ بیشتر تھوڑی سی دیر

جب کبھی اُن سے کیا کوئی سوال
ہنس دیئے کچھ سوچ کر تھوڑی سی دیر

آیئے آرام سے باتیں کریں
میکدے میں بیٹھ کر تھوڑی سی دیر

کم سے کم عشق میں یہ بات تو ہو جاتی ہے
زندگی خوگرِ آفات تو ہو جاتی ہے

خط سے آگاہی حالات تو ہو جاتی ہے
کم سے کم آدھی مُلاقات تو ہو جاتی ہے

بعد مُدّت کے وُہ مِلتے ہیں تو کیا غم اِس کا!
اِس سے تجدیدِ مُلاقات تو ہو جاتی ہے

وُہ محبّت کا کچھ اظہار کریں یا نہ کریں
آنکھوں آنکھوں میں کوئی بات تو ہو جاتی ہے

گو نکل جاتے ہیں وُہ آنکھ چُرا کر ہم سے
کچھ بھی ہو اُن سے مُلاقات تو ہو جاتی ہے

اے غمِ دہر! تری یورشِ پیہم کے طفیل
ہم پہ ظاہر تری اوقات تو ہو جاتی ہے

کیوں نہ میخانے کی ہر شام ہو پُر لُطف اے عرشؔ
لُطفؔ صاحب سے مُلاقات تو ہو جاتی ہے

(ملہ جناب اندرجیت لُطفؔ)

نہ ہو جو تیرا کرم ساقی تو رنگِ آرزو کیا ہو

نگاہِ بادہ کش میں عظمتِ جام و سبو کیا ہو

ادھر میں محوِ حیرت ہوں اُدھر خاموش ہیں وہ بھی

پریشاں ہوں کہ رنگِ ابتدائے گفتگو کیا ہو

جو خود ہی لٹ گیا ہو، ہو گئے گم حسرتیں جس کی

کسی کی آرزو اُس کو کسی کی جستجو کیا ہو

نہ ہوں تیری نگاہوں کی اگر رنگینیاں شامل

کسے معلوم تصویرِ جہانِ رنگ و بو کیا ہو

قفس میں زندگی آرام سے اب تو گزرتی ہے

نہیں جب بال و پر، پرواز کی پھر آرزو کیا ہو

دِل کو ہر فکر سے ہر غم سے سُبکدوش کریں
ہو گیا جو بھی محبّت میں فراموش کریں

کیوں نہ ہم تلخیٔ فردا کو فراموش کریں ؟
کیوں طبیعت کو گرفتارِ غمِ دوش کریں ؟

میرے شکووں کو وہ باتوں میں اُڑا دیتے ہیں
لُطف تو جب ہے، زمانے کو بھی خاموش کریں

دَرد و غم، رنج و الم سب ہیں رفیقانِ حیات
ہائے کِس کِس کو محبّت میں فراموش کریں

عرشؔ احباب نے کیا کیا نہ دیئے ہم کو فریب
کِس کو اب یاد کریں کِس کو فراموش کریں

کچھ موسمِ گُل کا ذکر چھڑا کچھ حُسنِ چمن کی بات چلی
جب باتوں ہی باتوں میں اکثر اک غُنچہ دہن کی بات چلی

ساقی کی نگاہیں جُھک سی گئیں کچھ تھم سا گیا رقصِ ساغر
کہتے ہیں کہ محفل میں جب بھی کچھ تشنہ دہن کی بات چلی

خاموش سے لب نیچی سی نظر کیا جانئے کیا گذری اُن پہ
جب حلقۂ ماہ و انجم میں اک سیم بدن کی بات چلی

اِن دیر و حرم کے سجدوں سے انسان نے آخر تنگ آ کر
اک مے کا سہارا ڈھونڈ لیا جب رنج و محن کی بات چلی

غُنچے حیرت میں ڈوب گئے پھولوں نے گریباں چاک کئے
ہنگام ہُوا جب گلشن میں اُس غُنچہ دہن کی بات چلی

ہم صیدِ قفس ہی سہی لیکن احساس بھرا دل رکھتے ہیں
کیوں ذکرِ نشیمن چھیڑ دیا کیوں سرو و سمن کی بات چلی

ہر قدم پہ چوٹ کھائی ہر قدم آنسو پیئے
زندگی بارِ گراں تھی۔ ہم مگر پھر بھی جیئے

اتنی ہی بڑھتی گئی ہیں راہ کی دشواریاں
جس قدر دل نے محبت میں مراحل طے کئے

دیکھنا رہتی ہیں کب تک راہ کی تاریکیاں
ہم جلائے جا رہے ہیں آرزوؤں کے دیئے

اس کو کہتے ہیں محبت۔ اس کو کہتے ہیں خلوص
ہم نے سینے سے لگائے تُو نے جتنے غم دیئے

اُس بتِ کافر کی چشمِ مست کا یہ فیض ہے
جھومتے رہتے ہیں ہم اے عرش ! اکثر بے پیئے

دلِ مضطر سے نالاں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی
محبت میں پریشاں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی
کسے فرصت ہے ماضی کی پُرانی داستاں چھیڑے
غمِ حاضر میں غلطاں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی
بظاہر کوئی حیرانی نہیں ترکِ محبت پہ
مگر دِل میں پشیماں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی
خزاں کے جورِ پیہم کی شکایت ہے تو دونوں کو
طلب گارِ بہاراں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی
اُنھیں جانے کی جلدی ہے ہمیں ضد ہے کہ رُک جائیں
غرض دونوں پریشاں ہیں اُدھر وُہ بھی اِدھر ہم بھی

آ گیا جو کچھ بھی لب پر کہہ دیا تو کیا ہُوا
ہم نے اُس کافر کو کافر کہہ دیا تو کیا ہُوا

آپ کے کہنے سے دِل کی قدر کم ہوتی نہیں
آپ نے ہیرے کو پتھر کہہ دیا تو کیا ہُوا

بے وفا تم کو کہا، کیا تم نہیں ہو بے وفا
بات اِتنی سی ہے مُنہ پہ کہہ دیا تو کیا ہُوا

خاک کا ذرہ ہر اک صورت میں قدر ہی تو ہے
مصلحت سے ہم نے گوہر کہہ دیا تو کیا ہُوا

دیکھنا یہ ہے کہاں تک بات ہوتی ہے درست
آپ نے آیا جو لب پہ کہہ دیا تو کیا ہُوا

گردشِ آفات کا کچھ نام ہونا چاہیے
آپ نے قسمت کا چکر کہہ دیا تو کیا ہُوا

ایک شاعر کو سُخن ور کہہ بھی دیں تو بات ہے
غیر شاعر کو سُخن ور کہہ دیا تو کیا ہُوا

بات جو سچی ہو وُہ مُنہ سے نکل جاتی ہے عرش
اِک ستم گر کو ستم گر کہہ دیا تو کیا ہُوا

نہیں ہے رندانِ بادہ کش کا اگر تجھے احترام ساقی
تو اب نہ آئیں گے میکدے میں وہ توڑ ڈالیں گے جام ساقی

جو بادہ خواروں کی تشنہ کامی سے لے گا یوں انتقام ساقی
مجھے یہ ڈر ہے بدل نہ ڈالیں وہ میکدے کا نظام ساقی

تو فیضِ محفل کو عام کر دے چھپا نہ رندوں سے جام ساقی
نہیں یہ ممکن پلٹ کے جائیں یہاں سے ہم تشنہ کام ساقی

جو چشمِ باطن سے کوئی دیکھے یہ ہے مقدّس مقام ساقی
یہاں بھی ہو امتیازِ مذہب تو میکدے کو سلام ساقی

بشر حوادث سے بے خُود ہو کر لپکتے ہیں سُوئے جام ساقی
حیات کی رہگذر پہ آتا ہے ایسا بھی اِک مقام ساقی

بغیر تیری عنایتوں کے بجھی بجھی سی ہے بزمِ عالم
ہیں کھوئے کھوئے سحر کے منظر ہے پھیکی پھیکی سی شام ساقی

رات بھر دیدۂ خوں بار پہ کیا گذری ہے
کس کو معلوم دلِ زار پہ کیا گذری ہے

تلخیٔ عمرِ رواں اُس پہ غمِ تشنہ لبی
زندگی بھر کسی مے خوار پہ کیا گذری ہے

آپ کرتے ہیں مری تلخ نوائی کا گلہ
یہ کبھی پوچھا ہے دلِ زار پہ کیا گذری ہے

شامِ غم ہم تو بہرحال پریشاں ہی رہے
یہ ذرا کہئے کہ سرکار پہ کیا گذری ہے

عرشؔ کشتی تو مری آ ہی گئی ساحل تک
کس کو معلوم کہ منجدھار پہ کیا گذری ہے

جب سے دیکھی ہے وُہ چشمِ مے فروش
زندگی رہتی ہے وقفِ نا و نوش

جام ہو جب بزم میں مستی فروش
ہائے! کس کافر کو پھر رہتا ہے ہوش؟

اِنتہا میں ہے سکوتِ عشق اور
ابتدا میں اور تھا جوش و خروش

زندگی اُس شخص پہ قربان ہے
جو نہ سمجھے زندگی کو بارِ دوش

آج کے اِنسان کی عظمت نہ پُوچھ
آج کا اِنسان ہے عظمت فروش

میں وفا کا تذکرہ تو چھیڑ دُوں
ڈر ہے آپ اِس کو نہ سمجھیں بارِ گوش

اُس بُتِ کافر کے ہم قربان ہیں
ہونٹ جس کے ہوں دُکانِ گُل فروش

یہ تو بجا کہ ہم نے تجھے بے وفا کہا
اِس کے سوا کچھ اور کہا بھی تو کیا کہا
ٹھکرا تو دیں بھرے ہوئے ساغر گھم گھم
ٹالے گا کون ساقیِ گُل فام کا کہا

تُو نے کیا نہ میری محبّت کا اعتراف
تجھ کو خبر بھی ہے تری نظروں نے کیا کہا
کچھ راز تھا کہ جبر بھی کرنا پڑا قبول
کچھ بات تھی کہ اُن کی جفا کو وفا کہا
ہونٹوں کو ہم نے زحمتِ جنبش نہ دی کبھی
اکثر نگاہِ شوق سے ہر ماجرا کہا
سُنتے ہی مُسکرا اُٹھی گلشن میں ہر کلی
بادِ صبا نے اِس سے خدا جانے کیا کہا
جو کچھ دیا ہے اُس سے تحمل تو نہیں ہیں عرشیؔ
تائید کر رہے ہیں کہ جو بھی کہا، کہا

ہم اُن کی جفائے پیہم کی اُن ہی سے شکایت کر بیٹھے
جو بات نہ کرنی تھی اُن سے اُس بات کی جُرأت کر بیٹھے

کیا چیز نظر سے ٹھکرا دی کس چیز کی حسرت کر بیٹھے
یعنی اِس دل کا بھروسہ کیا کس وقت لگاوٹ کر بیٹھے

ہم حیراں ہیں کیا پیش کریں اب اہلِ نظر کی خدمت میں
اِک دِل ہی تھا اپنا سرمایہ جو نذرِ محبّت کر بیٹھے

یہ دیر میں ہم نے سمجھا ہے یہ دیر میں ہم نے جانا ہے
وُہ اپنی جان کے دشمن تھے ہم جن سے محبّت کر بیٹھے

اے عرشؔ بھری محفل میں کہیں رُودادِ محبّت کہتے ہیں
کہنے کی نہیں تھی بات مگر کیوں اس کی جُرأت کر بیٹھے

ساغر بھی رُوبرُو ہے صُراحی بھی پاس ہے
کیا بات ہے کہ پھر بھی طبیعت اُداس ہے

چُپ ہوں کہ دوستوں کو ندامت نہ ہو کہیں
ورنہ مری نظر بھی زمانہ شناس ہے

اِک وُہ کہ جن کو نامِ محبّت سے ہے گُریز
اِک ہم کہ جن کو لفظِ محبّت کا پاس ہے

بے رنگ بُو ہے گُلشنِ عالم ترے بغیر
کلیوں میں تازگی ہے نہ پھُولوں میں باس ہے

اُمید کی کرن کا نشاں تک نہیں کہیں
یہ زندگی ہے یا کوئی تصویرِ یاس ہے

شادماں سا دلِ خراماں سی نظر برسوں سے ہے
ہر زباں پہ اُن کی آمد کی خبر برسوں سے ہے
ذرّہ ذرّہ دہر میں گرمِ سفر برسوں سے ہے
اک مسلسل گردشِ شام و سحر برسوں سے ہے
کائناتِ زندگی زیر و زبر برسوں سے ہے
راہِ ہستی پہ مصائب کا گزر برسوں سے ہے
آپ کی اک مسکراہٹ سے وہ مٹ سکتا نہیں
جو غمِ دوراں کا اس دل پہ اثر برسوں سے ہے
کون جانے کس کی آمد میں ہے محوِ انتظار
کھوئی کھوئی سی جو ہر اک رہگذر برسوں سے ہے
سوچتا ہوں کس قدر ہوتی ہے اب تاخیر اور
مائلِ لطف و کرم اُن کی نظر برسوں سے ہے

ناکامیٔ جاوید کا پیغام ملا ہے
کیا خوب وفا کا ہمیں انعام ملا ہے

گزرے ہیں تری یاد میں ایسے بھی قرب و وقت
جب درد کی شدت میں بھی آرام ملا ہے

خود حسن کی فطرت میں ہے جب جلوہ نمائی
پھر کیوں نگہ شوق کو الزام ملا ہے

چھپا نا کسے جس کیلئے ہم خاک جہاں کی
دل ہی میں نہاں اب وہ دلآرام ملا ہے

اک حال میں رکھا نہیں تقدیر نے ہم کو
تکلیف ملی ہے کبھی آرام ملا ہے

ہم نے اسے آنکھوں سے لگایا ہے کئی بار
جس نامۂ الفت میں ترا نام ملا ہے

ہم نے اب تک دل سنبھالا تھا مگر کیا کیجئے
ہو ہی جاتا ہے محبت کا اثر کیا کیجئے

تلخیٔ غم تو رہے گی زندگی کے ساتھ ساتھ
زندگی بھر چارۂ دردِ جگر کیا کیجئے

چند آنسو چند آہیں ساتھ کچھ مجبوریاں
اور اپنی داستاں کو مختصر کیا کیجئے

دوسروں پر ہم مصیبت میں تو ہنستے ہیں مگر
آ بنے جب غم میں اپنی جان پر کیا کیجئے

منزلِ ہستی میں ہوں جب دور تک تنہائیاں
اور ملتا ہو نہ کوئی ہم سفر کیا کیجئے

زندگی میں کس طرح حاصل ہو انساں کو سکوں
زندگی رہتی نہیں اک حال پر کیا کیجئے

عرشؔ دم بھر کی مصیبت ہو تو کوئی سہہ بھی لے
انتظارِ شامِ وعدہ عمر بھر کیا کیجئے

تشنہ لب ہوں یا وہ ہوں ساغر بہ دست
بادہ کش ہر حال میں رہتے ہیں مست
اب خدا حافظ ترا - اے بزمِ ہوش
آ گئے محفل میں ہم ساغر بہ دست
زندگی میں آ گیا کیا انقلاب
دوست ملتے ہیں مگر مطلب پرست
راہِ حق میں لاکھ آئیں مشکلیں
جی نہیں چھوڑے گا مردِ حق پرست
آپ وعدے پہ اگر قائم رہیں
ہم نہ کھائیں گے زمانے سے شکست
آپ سے شکوہ نہیں اس بات کا
آدمی ہے فطرتاً مطلب پرست
آپ کو تھی عرش صاحب کی تلاش
لیجئے وہ آ گئے ساغر بہ دست

آنکھوں سے میری اشکِ تمنّا چھلک پڑا
پیمانہ دِل کا جب بھی بھر آیا چھلک پڑا

لہرا رہی ہے عالمِ مستی میں کائنات
اُن کی نگاہِ مست سے یہ کیا چھلک پڑا

ہر اک قدم پہ تھا مجھے توبہ کا احترام
دیکھا مجھے تو ساغرِ صہبا چھلک پڑا

مٹنے نہ پائی تھیں ابھی ماضی کی تلخیاں
جامِ حیات سے غمِ فردا چھلک پڑا

مدّت کے بعد آئی ہے پھر یادِ رفتگاں
پھر دِل کسی کے غم سے بھر آیا چھلک پڑا

وہ ہو وقتِ صُبح یا ہنگامِ شام
جِن کو چلنا ہے وہ چلتے ہیں مُدام

مسکرا کر دیکھتے رہیے مگر
درہم و برہم نہ ہو دِل کا نظام

پُر اثر بھی ہے نظر افروز بھی
اُس نگاہِ شوخ کی طرزِ کلام

زندگی سے اِس طرح بدظن نہ ہو
زِندگی ہے قابلِ صد احترام

عالمِ حیرت میں گُم ہے ہر کلی
گُلستاں میں کون ہے محوِ خرام

جب بڑھی ہے تلخیٔ آلامِ عشق!
میکدے کو چل پڑے ہم وقتِ شام

جو دیکھا اُنہیں اِک نظر جاتے جاتے
ہوُئے وُہ خفا کس قدر جاتے جاتے
یہ کس کی نظر سے ہوُا ہے تصادم
کہاں کھو گئی ہے نظر جاتے جاتے
کہاں دیر و کعبہ کہاں بزمِ ساقی
نکل آئے ہم یہ کدھر جاتے جاتے
اُلٹ دے ابھی جام میں اور ساقی
کہ جائے گا غم کا اثر جاتے جاتے
ٹھہر اے اجل! جانبِ میکدہ ہم
ذرا دیکھ لیں اِک نظر جاتے جاتے

لہرا کے خود ہی رقص میں ہر جام آ گیا
یہ میکدے میں کون سرِ شام آ گیا!

محفل میں جب کبھی ذکرِ مے و جام آ گیا
دل کو قرار روح کو آرام آ گیا

پرسش کی اب تو کوئی ضرورت نہیں رہی
جب آپ آ گئے مجھے آرام آ گیا

کرشمہ وانکشافِ محبت کا ہم رکھ
بے ساختہ زباں پہ ترا نام آ گیا

اُن کے بغیر دردِ مجسّم تھی زندگی
وہ آ گئے تو روح کو آرام آ گیا

بھلا رہا ہوں ساغرِ صہبا سے دل کو عرشی!
کوئی تو رنج و غم میں مرے کام آ گیا

خوشی سے کھیل اے جام و سبُو سے کھیلنے والے!
مبارک ہیں جہانِ رنگ و بُو سے کھیلنے والے

تجھے مجبوریٔ دل کا بھلا احساس کیا ہوگا؟
کسی مجبور دل کی آرزو سے کھیلنے والے!

وہ طوفانِ حوادث ہو کہ گردابِ بلا کوئی
نہیں ڈرتے ہیں موجِ تندخو سے کھیلنے والے!

زمانے میں تجھے انسان کہلانے کا کیا حق ہے؟
کسی انساں کے خونِ آبرو سے کھیلنے والے!

بہت اُلجھا دیا اب زندگانی کے مسائل نے
وگرنہ ہم بھی تھے جام و سبُو سے کھیلنے والے!

کبھی مفہوم بھی سمجھا ہے تُو نے زندگانی کا؟
بنا کچھ تو نشاطِ رنگ و بُو سے کھیلنے والے!

نہاں ہیں دامنِ گُل ہائے تر میں تیز کانٹے بھی
ذرا بچ کر چمن کی آبرو سے کھیلنے والے!

چُٹکیاں لیتی ہے دِل میں ہر گھڑی یادِ حبیب
بن گئی ہے اب تو میری زندگی یادِ حبیب

دفعتاً یہ دِل مثالِ غنچہ و گُل کھِل اُٹھا
جب وفورِ یاس و غم میں آگئی یادِ حبیب

بزمِ شعر و نغمہ تھی یا تختۂ دار و رسن
ہم کو ہر اِک حال میں آتی رہی یادِ حبیب

کل بھی یہ چھائی ہوئی تھی جان و دِل پر سر بہ سر
اور رگ رگ میں بسی ہے آج بھی یادِ حبیب

کیا کہوں میں اب کسی سے مُدّعائے زندگی؟
جب مری ہستی کا حاصل بن گئی یادِ حبیب

اِس سے پہلے بزمِ ہستی کیا تھی؟ اِک ظُلمت کدہ!
دے گئی ہے شمعِ دِل کو روشنی یادِ حبیب

پُوچھتے پھرتے ہیں ہم دُنیا سے اب اپنا پتہ
زندگی پر اِس طرح کچھ چھا گئی یادِ حبیب

بارِ غم سے جب ہوئیں مائل زِ فریادِ عرش
میرے دِل کو دے گئی تسکین سی یادِ حبیب

ماحول نہیں ٹھیک فضا ٹھیک نہیں ہے
کہتے ہیں کہ دُنیا کی ہوا ٹھیک نہیں ہے

بے جُرم جو دیتے ہو سزا ٹھیک نہیں ہے
اپنوں سے تو یہ طرزِ جفا ٹھیک نہیں ہے

حیرت ہے کہ اُس دَور میں کرتے ہیں وفا ہم
جس دَور میں اظہارِ وفا ٹھیک نہیں ہے

اک بات غلط ہو تو شکایت بھی کریں ہم
کیا عرض کریں آپ سے کیا ٹھیک نہیں ہے؟

جب شکوۂ اندازِ جفا پہ ہیں وُہ برہم
پھر شکوۂ اندازِ جفا ٹھیک نہیں ہے

ہر جورِ زمانے کا اُٹھاتے ہو۔ مگر عرشؔ!
یہ عادتِ تسلیم و رضا ٹھیک نہیں ہے

بڑی کافر نظر جب مائلِ اصرار ہوتی ہے
تو پھر پینے سے کس کو جرأتِ انکار ہوتی ہے

سمجھتے بھی ہیں وہ تکرار سے جب کچھ نہیں حاصل
خدا معلوم کیوں بے وجہ پھر تکرار ہوتی ہے

مئے و ساغر کے ہنگاموں میں کٹ جاتی ہے اے ساقی
وگرنہ زندگی اک مستقل آزار ہوتی ہے

فریبِ وعدۂ فردا تو کھا لیتا ہوں میں لیکن
ترے اقرار میں بھی صورتِ انکار ہوتی ہے

نکل کر ظلمتِ دیر و حرم سے دیکھ اے واعظ
کہ ہر شب میکدے میں بارشِ انوار ہوتی ہے

محبت میں ڈوبی صدا کھینچ لائی
ہمیں آپ کی ہر ادا کھینچ لائی

ہر اِمے کدے کا ارادہ نہیں تھا
مگر اُمڈی اُمڈی گھٹا کھینچ لائی

یہ ترکِ محبت بجا تو ہے لیکن
اگر اُن کو میری وفا کھینچ لائی!

تری انجمن میں نہ آتے کبھی ہم
دلِ زار کی التجا کھینچ لائی

وہیں بے تکلف کھنچے آئے ہیں ہم
جہاں ہم کو لُوٹے وفا کھینچ لائی

کہاں حضرتِ عرشؔ میخانے آتے
یہاں ان کو رنگیں فضا کھینچ لائی

وُہ دو آنکھیں

وُہ دو آنکھیں جو اکثر اجنبی اَنداز سے مجھُ کو
برابر دیکھتی ہیں اور کچھُ اقرار کرتی ہیں
نہ جانے کون سے ارمان پنہاں ہیں اُن آنکھوں میں
نہ جانے کوُن سے جذبات کا اظہار کرتی ہیں

مرے اِدراک سے باہر ہے اندازِ بیاں اُن کا
مری دانست سے بالا ہے طرزِ گفت گوُ اُن کی
مَیں اپنے دِل سے اکثر پُوچھتا ہُوں ماجرا کیا ہے؟
اِسے معلوم ہو گا کیا ہے آخر آرزُو اُن کی

بہُت ہی تیز ہو جاتی ہیں دِل کی دھڑکنیں اِس پہ
طبیعت بے سبب کچھُ اور بھی گھبرانے لگتی ہے
نہ جانے ڈُوب سی جاتی ہیں کیوُں احساس کی نبضیں
نظر میں دُور تک اِک بَرق سی لہرانے لگتی ہے

ادائے سلام

چہرے سے اپنے گیسوئے مشکیں سنبھال کر
پردے سے اپنا چاند سا مکھڑا نکال کر
بانکی ادا سے ریشمی آنچل اچھال کر
دیوانہ وار آنکھوں کو آنکھوں میں ڈال کر
کچھ مسکرا کے اور جبیں تک اٹھا کے ہاتھ
"اس نے مجھے سلام کیا کس ادا کے ساتھ"